درد زندگی

حدیثِ ادب

"حدیثِ ادب" جناب احسان بن دانش کی ان دلچسپ غزلیات کا مجموعہ ہے جنہیں کئی برس سے آج پنجاب کی ادبی فضاؤں میں سرشار رکھا ہے۔ یہ جدید رنگ تغزل کا وہ مرقع ہے جس پر ملک کے معیاری اخبارات و رسائل کے علاوہ علمی و ادبی انجمنوں اور اداروں نے حوصلہ افزا ریویو کئے ہیں۔

"حدیثِ ادب" کا ہر شعر بجائے خود حدیثِ ادب ہے۔ جس میں سلاست بیان بھی ہے اور رنگینی تخیل بھی، سوز پروری بھی ہے اور رقت آفرینی بھی۔

یہ مجموعہ جذبات لطیف کی ایک بے بہا تصویر ہے جس میں نوجوان شاعر نے مصوری سے کام لے کر ہوا قی کی دنیا پر سحر آفرین وحشیانہ مضطرب جذبات کو ایک دلکش اور ادبی پیرائے میں الفاظ کا جامہ پہنا دیا ہے۔

اس مجموعہ میں الفاظ شاعر نے اکثر اشعار میں تصوف و فلسفہ کے اہم ترین مسائل کو اس بلند پایہ طریق سے بیان کیا ہے کہ ہر شعر پر دل پھڑک جاتا ہے۔ مصنف کی تصویر کاغذ کتابت اور طباعت کی خوبی نے اس مجموعہ کو اور بھی چار چاند لگا دیئے ہیں۔ قیمت ایک روپیہ چار آنہ مجلد عہ

ذیشان بکڈپو مزنگ لاہور

دردِ زندگی

از

جناب احسان بن دانش (کاندھلہ)

زیرِ اہتمام

انجمن تعمیرِ ادب

ذیشان بکڈپو مزنگ لاہور

قیمت مجلد عہ ۸ر   بلا جلد عہ ر

ہے کوئی جو زندگی کا دے ثبوت
بیچتا پھرتا ہوں دردِ زندگی

(احسان)

فہرس

دردِ زندگی

اغلاط نامہ آخری صفحات پر ہے۔ پہلے غلطیاں درست کرلیں!

فہرست کتب

ذیشان بک ڈپو مزنگ لاہور

نفسیات شباب مترجمہ ڈاکٹر عابد حسین صاحب بی اے پی ایچ ڈی برلن ایڈورڈ شپرنگر پروفیسر برلن یونیورسٹی کی بے مثل تصنیف کا براہ راست جرمن زبان سے اردو ترجمہ نوجوانوں کی نفسی سیرت ان کی تخیلی زندگی عشق۔ تصور کائنات اور اخلاقی نشوونما پر اس کتاب سے بہتر کوئی کتاب نہیں اپنی نوعیت کی یہ پہلی اور مقبول عام کتاب ہے۔ قیمت ے ر

مبادی معاشیات مترجمہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب ایم اے پی ایچ ڈی علم المعیشت پر ایڈون کینن کی یہ مشہور کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس فن پر اردو میں ابھی بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ یہ کتاب مبتدیوں کے لئے مفید ثابت ہوگی۔ ترجمہ سلیس اور واضح ہے۔ قیمت صرف عہ ر

ذکر ہی خواجہ عبدالحئی صاحب فاروقی۔ تفسیر الفرقان کا یہ آخری حصہ ہے۔ تمام چھوٹی چھوٹی صورتیں جو ہر روز نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ کاش کہ ہم ان کے مفہوم اور ان کے مطالب سے آگاہ ہوتے انہیں ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر یہ تفسیر لکھی گئی ہے عہ ر

مثنوی ناسخ مرتبہ حبیب اللہ خاں صاحب ناسخ لکھنوی کی میلاد و مناقب پر وہ مثنوی جو کمیاب تھی ۱۲ ر

ملنے کا پتہ ذیشان بک ڈپو مزنگ لاہور

معذرت

مقدمہ یا دیباچہ کی معذرت کے لئے ہم شروع میں جناب احسان کا ایک خط اور آخیر میں اُن کے مختصر حالات جو ان کے ایک دوست اختر حسین خاں صاحب تسکین بریلوی نے علیگڈھ مسلم یونیورسٹی سے روانہ فرمائے ہیں درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ ہمارا ارادہ تھا کہ حالات بھی شروع میں درج کئے جائیں تاکہ ناظرین کے سامنے شاعر کی زندگی کا نقشہ بھی رہے مگر جناب احسان کے لا ابالیا نہ پن سے یہ بھی دُور نہیں کہ اسی پر بگڑ بیٹھیں۔ اور ہمیں کتاب سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں۔

سید محمد شریف حسین انور گیلانی

بی۔ اے۔ بی۔ ٹی

احسان

عزیز دامن سلمہ   سنٹرل ایونیو دفتر اخبار "خادم" کلکتہ ۹A

لفافہ پہنچا میں بعافیت کلکتہ پہنچ گیا ہوں۔ لیکن عدیم الفرصتی کے باعث خط روانہ نہیں کر سکا۔ دردِ زندگی کے بارہ میں حیران ہوں کہ تمہاری ضد کس طرح پوری کروں۔ میری تمام نظمیں اور غزلیں میرے پاس نہیں اور نہ یہ یاد کہ کہاں کہاں چھپی ہیں کیونکہ کوئی باقاعدہ بیاض کبھی بنائی ہی نہیں۔ وہی ایک گاؤتکیہ ہے جس میں نظموں اور غزلوں کے کاغذ بھرے ہوئے ہیں۔ گھر سے ذیشان کو آواز دیکر منگا لینا اور اسی میں سے پرزے نکال نکال کر کاتب کو دیئے جانا۔ بہت سی نظموں اور غزلوں پر نظر ثانی کر کے ترمیم و تنسیخ کی ہوئی ہے۔ ان کو اسی طرح کتابت

کرالینا۔ رسائل سے مطبوعات تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

تمہارا مقدمہ کا سوال بہت اہم ہے میرا دائرۂ تعارف اسقدر وسیع نہیں کہ کوئی گرامی جاہ مقدمہ نویس مقدمہ لکھدے۔ اس میں شک نہیں کہ انجمن تعمیر ادب میں کئی ہستیاں اس قابل ہیں کہ مقدمہ لکھ سکیں لیکن میں انجمن کے کسی رکن سے اس کے متعلق نہیں کہہ سکتا اور نہ تمہیں التجائی گفتگو کی اجازت دیتا ہوں

میں تو آجتک یہ بھی نہیں سمجھا کہ پہلی اشاعت میں کتاب کے ساتھ مقدمہ پیش کرنے کا مقصد کیا ہوتا ہے۔ آخر تمام دنیا ایک انسان کی رائے سے اتفاق کیوں کرے۔ اور مقدمہ نگار کو یہ کیا حق ہے کہ تمام ناظرین کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرے۔

علاوہ ازیں مقدمہ نگاری کا ہر شخص اہل بھی نہیں۔ ملک کے چند افراد اس فن پر عبور رکھتے ہیں جن کا طرزِ تحریر نثری قصائد سے مبرّا اور حسد کے تعفن سے پاک ہوتا ہے۔

جہاں تک میرا خیال ہے کتاب کی پہلی اشاعت پر مقدمہ ادبی رشوت سے کم نہیں۔ البتہ کتاب منظر عام پر آکر جو تحسین، تنفر، اصلاح یا نظریئے حاصل کرے وہ مصنف کے لئے چراغِ زندگی ہوتے ہیں۔ اور میں تو یہی کہوں گا کہ طباعت کے خیال کو جانے ہی دو۔ کیونکہ درحال اپنے اخلاق، عقائد اور خلوص کی روشنی میں تم مجھے کچھ زیادہ سمجھ گئے ہو شاید یہ پبلک تمہاری ہمنوا نہ ہو۔ اگر تم زمانہ کی انگشت نمائی کو میرے لئے موزوں ہی سمجھتے ہو تو تم جانو۔

کتاب نواب میر یوسف علیخاں صاحب عزیز ہی کے نام سے معنون ہوگی میں

دولت کا پرستار نہیں بلکہ مجھے عزیز کا خلوص عزیز ہے ۔ مسودہ ارسال ہے ۔ اگر اس میں ترمیم و تنسیخ کا خیال ہے تو مجھے انجمن سے مستعفی سمجھو ۔

ہاں یاد آیا ۱۲ رمئی ۱۹۴۴ء کی شام کو علامہ عیش امروہوی کے اعزاز میں جناب عبدالرحمان صاحب آصف کے مکان پر ایک غیرطرحی مشاعرہ منعقد ہوا جسمیں مجھے بھی دعوت دی گئی اور سید جعفری مدیر خادم کے ہمراہ مشاعرہ میں پہنچا ۔ خان بہادر رضا علی صاحب وحشت نے صدارت کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیئے ۔ پارٹی بندی کا منافقانہ رویہ لاہور کی طرح یہاں دیکھنے میں نہیں آیا ۔ جناب واصف نے حضرت وحشت اور علامہ عیش امروہوی سے تعارف کرایا ۔ دونوں بزرگ قابلِ احترام ہستیاں ہیں ۔ شعرا کی تعداد کلکتہ میں بھی لاہور سے کم نہیں مگر جناب آصف حضرت جمیل مظہری مولینا واصف میر عصری جناب نصرت اور حضرت کوکب مراد آبادی کا کلام خصوصاً قابل تحسین تھا ۔ تاہم ایک بجے رات تک اچھی خاصی دل لگی رہی ۔

مظفر کے پاس خط روانہ کیا تھا مگر جواب نہیں آیا ۔ میاں محمد ابراہیم صاحب برق کو کل خط لکھا ہے وہ شاید لاہور کے پتے سے جواب دیں ۔ پشاور سے اللہ نواز کا خط آیا تھا ۔ وہ حضرت عدم تحریر جواب کے شاکی ہیں ۔ ادھر اسی بات پر جگندر ناتھ خمار نے خاموشی اختیار کر لی ان بھلے آدمیوں کو کیا خبر کہ ہم کس عالم میں ہوں ۔ واپسی پر ارادہ ہے کہ جلال آباد منشی فتح محمد صاحب سے مل کر آؤں ۔ ماسٹر ویس راج صاحب عاجز اور محمد ابراہیم خلیل اور دولت رام کو سلام کہدیں ۔

۱۹ ۔ مئی ۱۹۴۴ء
احسان

انتساب

دردِ زندگی

یعنی

یہ ناتواں آہوں اور آوارہ نغموں کا تشنۂ التفات مجموعہ

اپنے

نالہ شناس محسن جناب نواب میر یوسف علیخاں صاحب عزیز مگسی بلوچ

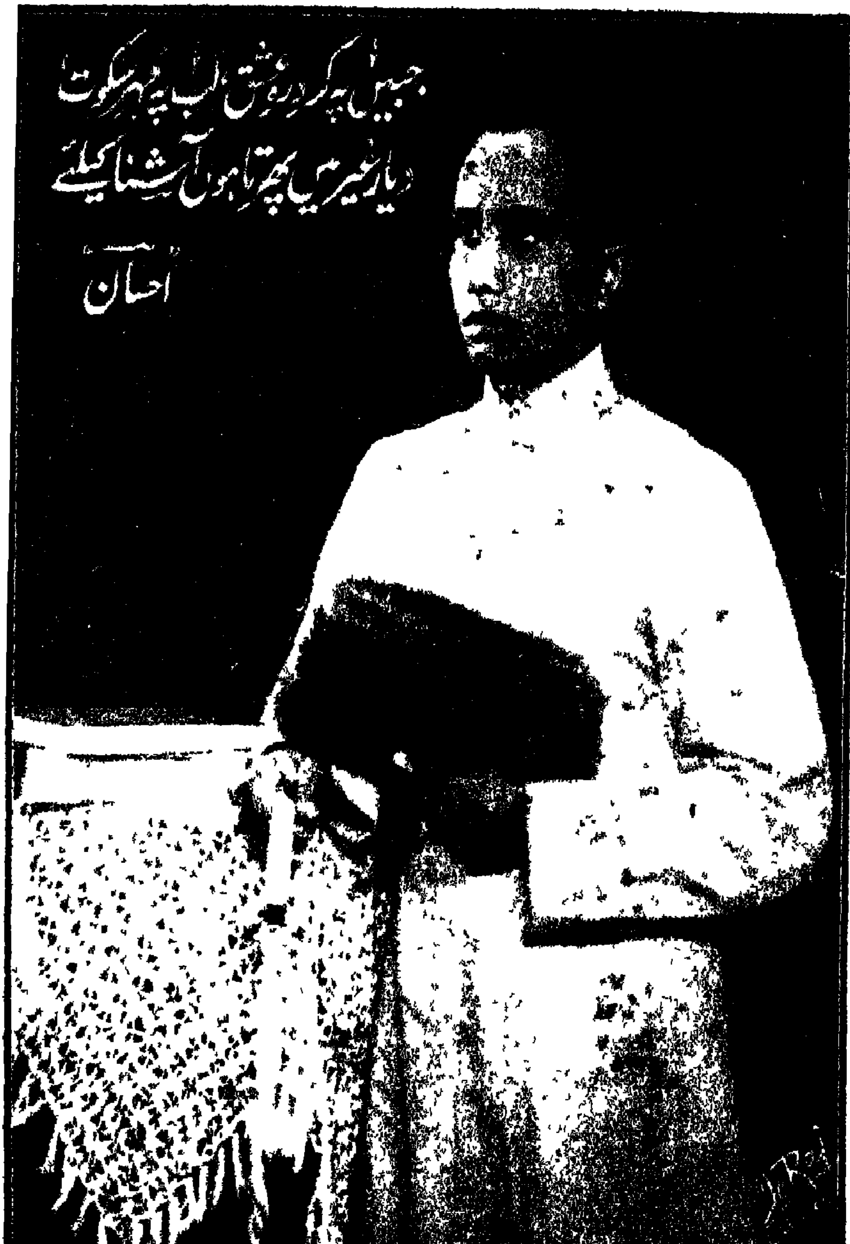
آف ریاست جھل (بلوچستان)

کے

نامِ نامی سے معنون کرتا ہوں

نیاز نشان

احسان بن دانش


جبیں پہ گردِ رہِ عشق لب پہ مہرِ سکوت
دیارِ غیر میں پھرتا ہوں آشنا کیلئے
احسان

"وہ"

وہ جس کی تبیین آگاہی میں ہر راز نہاں ہستی ہے
وہ جس کے اشاروں پر رقصاں عالم کی بلندی پستی ہو
وہ جس کی لطافت ہنستی ہے کھیتوں کی حسیں ہریالی پر
وہ جسکی ثنائیں ہوتی ہیں گلزار کی ڈالی ڈالی پر
وہ جس کے نفس کی گرمی سے ہر غنچۂ رنگیں کھلتا ہے
وہ جس کے تجلی خانے سے خورشید کو جلوہ ملتا ہے
وہ جس کا وظیفہ کرتے ہیں کہسار کے بےخود نظارے
وہ جسکی لگن میں تڑپتے ہیں اہلِ سفر کے ...

وہ جسکی رحمت کے نغمے گاتی ہے صبا برساتوں میں
وہ جسکی یاد ستاتی ہے سردی کی سہانی راتوں میں
وہ نام ہے جسکے چشموں میں تحریک ترنّم ہوتی ہے
وہ جسکی شگوفہ زاروں میں تقلیدِ تبسّم ہوتی ہے
وہ جسکا تکلّم بربط میں، وہ جسکی متانت غاروں میں
وہ جسکی جھلک ہے بجلی میں وہ جسکی چمک ہے تاروں میں
وہ جس سے ضیائیں ملتی ہیں اُمید کی رخشاں ہستی کو
وہ جس نے ترانے بخشے ہیں ہر پردۂ سازِ ہستی کو
وہ جسکی خموشی راتوں کو چھاتی ہے کشادہ گلیوں میں
وہ جسکے تبسّم بستے ہیں گلزار کی کمسن کلیوں میں
وہ جسکو سارے عالم میں محبوب شبیہِ انساں ہے
اے حرص و ہوا کے متوالے انسان وہی تو یزداں ہے

خوابِ زندگانی

یہ رنگین بدلیاں جو تیرتی ہیں آسمانوں پر
یہ دلکش گیت جو لہرا رہے ہیں بوستانوں پر

غروبِ مہر سے یہ زر فشاں جلوؤں کی ارزانی
یہ گہری ندیوں میں ٹھوکریں کھاتا ہوا پانی

یہ رنگینی جو پھولوں کی رگوں میں مسکراتی ہے
یہ ہریاول جو کمسن کھیتیوں میں لہلہاتی ہے

درختوں میں یہ ہلکی تیرگی یہ ہانپتے جنگل
یہ سرخی اور سیاہی کا تصادم کانپتے جنگل

یہ رعنائی جو منڈلاتی ہے جاں پرور بہاروں پر
یہ مدہوشی جو ہے چھائی ہوئی رنگیں نظاروں پر

یہ سازِ شام پر دھیمے ترنم جوئباروں کے
یہ خواب افروز آڑے ترچھے سائے دیوداروں کے

یہ بوچھاڑیں ہواؤں کی یہ چھینٹے آبشاروں کے
یہ خم کھاتے ہوئے ڈھلوان رستے کوہساروں کے

یہ چرواہوں کی درد انگیز تانیں بزمِ فطرت میں
یہ ہلکے سانس کے نغمے فضائے رنگ و نکہت میں

یہ عنابی فضاؤں میں پپیہوں کی پروازیں
نشاط آگیں خاموشی میں یہ جھینگر کی آوازیں

جدھر دیکھو نظر آتا ہے اک طوفان شادابی
مگر مجھ کو تو اس سے اور بھی ہوتی ہے بیتابی

کہ یہ جوشِ بہارِ جاودانی ہو نہیں سکتا
یہ خوابِ زندگانی زندگانی ہو نہیں سکتا

دُنیا

اگرچہ خلد بریں کا جواب ہے دُنیا
قسم ہے لائق صد اجتناب ہے دُنیا

سحر پیام تبسم ہے شام اذن سکوت
شگوفہ زار کا رنگیں شباب ہے دُنیا

لرز رہی ہے فضا میں صدائے غم پرور
ترنمات فنا کا رباب ہے دُنیا

ہیں آسمان وفا پر فریب کے بادل
گہن میں آیا ہوا آفتاب ہے دُنیا

جہاں کی عشرت فانی پہ اعتبار نہ کر
شب بہار کا مستانہ خواب ہے دُنیا

یہاں کی شام ہے نوروزِ معصیت کاری
اسیرِ دامِ تمنّا سراب ہے دُنیا

قدم قدم پہ طلسمات نور و ظلمت ہیں
فریب خانۂ شیب و شباب ہے دنیا

شکستِ دل کی حکایات حسرتوں کا بیاں
فسانہائے الم کی کتاب ہے دُنیا،

جُھکا نہ خاکِ درِ حُسن پر جبینِ اُمید
سنبھل سنبھل کہ یہاں بے حجاب ہے دُنیا

تُنک جمالیٔ شبنم ہے زینتِ ہستی
توقعاتِ بہاریں کا خواب ہے دُنیا

ہجومِ درد کی انبوہِ داغِ دل کی قسم
تواترِ ستمِ بے حساب ہے دُنیا

رہِ نیاز میں احسانؔ اکھڑ رہے ہیں قدم
خمارِ ساغرِ زر سے خراب ہے دُنیا

سولن میں شام

یہ وقتِ شام یہ رنگیں نظارے کوہساروں میں
شرابِ سُرخ کی بارش ہے متوالی بہاروں میں
چٹانوں پر بے کچھ بھیگی ہوئی سی دھوپ کا پَرتو
دھُواں سا گھومتا ہے اونچے اونچے دیوداروں میں
جہانِ دل میں سناٹا ہے جھینگر کی نواؤں سے
اندھیرا سا نظر آنے لگا ہے شاخساروں میں

وہ ٹھنڈی سانس بھرتی آرہی ہے شام کی دیوی
صدائے زمزمہ مدھم پڑی ہے آبشاروں میں
لگادی ہیں شفق نے سرخ سنجافیں چٹانوں پر
عروس شام نے کھولی ہیں زلفیں سبزہ زاروں میں
حیات افروز ہے جنگل میں کوئل کی نوا ریزی!
تڑپ اٹھیں نہ روحیں مرنیوالوں کی مزاروں میں
ہوا سے مست سبزہ جھومتا ہے لہلہاتا ہے!
شراب ناب سی برسی ہوئی ہے مرغزاروں میں
ہوا کی شوخیوں سے پھول کچھ سمٹے سے جاتے ہیں
حیا کی بستیاں آباد ہیں رنگیں بہاروں میں
سیاہی آگئی ہے تمتماتے سرخ پھولوں پر
شفق کا رنگ بھی کیا پڑ گیا ہے لالہ زاروں میں؟

لرزتی ہے گلابی دھوپ اونچے اونچے ٹیلوں پر
پرندے جلدی جلدی چھپ رہے ہیں شاخساروں میں
گڈریئے اپنے ریوڑ کو لئے بستی میں جا پہنچے
مسافر اب نظر آتے نہیں ہیں رہگزاروں میں
فضا لبریز ہے ناقوس کے غمگین نالوں سے
اذانوں کی صدائیں تیرتی ہیں کوہساروں میں
تصور سے کسی کے دل کا ہر گوشہ منور ہے
نگاہیں کھیلتی ہیں طورِ سینا کے شراروں میں
بڑا ہی لطف ہو احسان اگر اب دم نکل جائے
لیاقتؔ ہو ہمارے چار دن کے سوگواروں میں

، حافظ لیاقت علی صاحب میرے ایک عزیز دوست ہیں جو ان دنوں سولن میں قیام پذیر تھے

شکستِ سکوت

یہ فیضِ نور یہ ہنگامِ طاعتِ معبود
شبِ بہار میں ہے خندۂ سحر کی نمود
خنک ہواؤں کے جھونکوں میں ارتعاشِ نظر
نمودِ حسن سے مجروح انصرامِ جمود
ہر ایک قطرۂ شبنم ہے پارۂ الماس
ہے محوِ آئینہ خانے میں شہپرِ یارِ وجود
فضائیں بوئے گلستاں سے کشورِ مستی
ہوائیں زمزمہ پیرائے بربطِ داؤد
بساطِ شبنمِ سیمیں میں بجلیاں بیتاب
نگاہِ شوق کے دامن میں گوہرِ مقصود

اُٹھائے ساقیِ مہوش نے ساتگینِ شراب
خموش کرمکِ شب ہیں چراغ سر بسجود
ہر ایک اشکِ جگر زاد اخترِ تاباں
ہر ایک ذرۂ ناچیز آفتابِ نمود
خموش اہلِ حرم ہیں نہ اہلِ بتخانہ
کہیں نوائے ہری ہر کہیں صدائے درود
تڑپ رہے ہیں ہر اک شے میں جلوہ ہائے خلیل
جبینِ عشق و محبت ہے پائمالِ سجود
کھلا ہوا ہے نظر پر دریچۂ فردوس
ہے منجلی مرا آئینۂ غبار آلود
ہجومِ جلوۂ عارض کی تابشیں توبہ
بپا ہے چار طرف محفلِ قیام و قعود

بھنور میں گھوم رہا ہے سفینۂ ہجراں
جبینِ حُسن ہے اس بزم میں عرق آلود
اُٹھا رہے ہیں صنم زارِ زندگی سے حجاب
تخیلاتِ رفیع و نگاہِ لا محدود
چھڑا ہے محفلِ شیریں میں قصۂ فرہاد
ہے غزنوی کو تحیّر ایاز سربسجود
ہر اک نگار میں اک شانِ کبریائی ہے
اُٹھا ہوا ہے یہاں فرقِ شاہد و مشہود
مگر سحر کے ستارے مرے گواہ رہیں
نظر میں کیفِ صبوحی زباں پہ "یا معبود"
یہ بیخودی، یہ تعیّش، یہ عطر انگیزی،
میں سجدہ ریز بصد غم بہ بارگاہِ ودود

تلے ہوئے ہیں مجھے پائمال کرنے پر
یہ خاکدانِ حریفاں یہ آسمانِ کبود
مرے حسین ارادوں کو کر نہ دیں زخمی
یہ قحطِ جنسِ خلوص اور یہ دورِ نامسعود
قدم قدم پہ بچھاتے ہیں دامہائے فریب
کہیں یہ میرے عزائم کو کر نہ دیں مسدود
لٹا کے مایۂ ناموس و فخرِ انسانی
تلے ہیں اس پہ کہ احسان کیوں نہ ہو نابود
قدم زنی پہ قلم زن شکستہ پا اغیار
مرے کمال پہ خونابہ ریز چشمِ حسود
یہ قصد ہے کہ بجھا دیں کسی طرح اس کو
نہاں جو ہے مرے سینے میں شعلۂ بے دود

(۲)

تو ہے سمیع و بصیر و مسبب الاسباب
ہے تیرے قبضۂ قدرت میں کارگاہِ نمود
ترے کرم سے ہے جو کچھ ہے ورنہ میں کیا ہوں
مری زبان میں لکنت مری نظر میں جمود
مرا ندامتِ عصیاں سے سر نہیں اُٹھتا
مری جبیں کو نہیں نازشِ ادائے سجود
تبسمات سے کوسوں مرے لبِ خاموش
مرے شعار میں داخل نہیں رسوم و قیود
نہ اہلِ زر سے تعلق نہ اہلِ سیف سے میل
مری اُمید ہے تیرے کرم تلک محدود
نہ خضرِ راہ سے واقف نہ ناخدا سے غرض

کہ تیرے در کو سمجھتا ہوں کعبۂ مقصود
تجھی پہ زُعمِ تکلّم تجھی پہ نازِ خیال
وگرنہ یہ مری ہستی ہے ہستیٔ بے سود
میں رہزنانِ صداقت سے دب نہیں سکتا
سمجھ رہا ہوں کہ سزاوارِ قہر ہے یہ وجود
اگر تری یہ رضا ہے مرا نشاں نہ رہے
تو پھر مری بھی دُعا ہے یہی کہ ہاں نہ رہے

سرگذشتِ من چہ میپرسی چہ گویم سرگذشت

نہ پوچھ عمرِ گذشتہ کی سرگذشت نہ پوچھ
فروغِ شوق نے رکھا رواں دواں مجھکو
شکستہ پائی نے آکر قدم لیے میرے
فریب دیگئی رفتارِ ہمرہاں مجھکو
وطن کے سیف زبانوں کا دوراُفتوہ یہ
زباں کے زعم میں کہتے تھے بے زباں مجھکو
قیام گاہ پہ رہزن کی لے گیا اکثر
سراغِ نقشِ کفِ پائے رہرواں مجھکو
شبِ الم کی سیاہی نے خون رُلوایا

دلا کے یادِ شبِ ماہ کا سماں مجھکو
زوالِ شوق کے حامی تھے ہم نشین یکسر
خلش فروش تھی تزئینِ این و آں مجھکو
یہ مختصر ہے کہ گردوں کی فتنہ کاری نے
کیا ہجومِ نوائب کا راز داں مجھکو
ہوئی طبیعتِ حساس غم سے جب مانوس
دیا سکوتِ الم نے پیامِ جاں مجھکو
زمیں نے ہانپ کے چھوڑی مری قدم گیری
نگاہِ عجز سے تکتا تھا آسماں مجھکو
یہ حادثات ہی نکلے نشاطِ روحانی
کیا تراکمِ حرماں نے شادماں مجھکو
زہے نصیب سمجھتا ہے زینتِ محفل

نحیف خاک کے ذرّوں کا کاروان مجھکو
یہاں یہ عالمِ وحشت کہ خود سے بیگانہ
بلا رہے ہیں علیگڈھ سے مہرباں مجھکو

پندارِ سرمدی

فضائے عالم سے رفتہ رفتہ سیاہ پردے اُٹھا رہا ہوں
مرے گلستاں کا پتّا پتّا نوازنِ انقلاب ہو گا
کنشتِ ہستی کا ہر پجاری پرستشِ سوزِ دل کریگا
ٹھہر ٹھہر معبدِ حقیقت ابھی ابھی بے نقاب ہو گا
جُھکینگے مغرور آکے میری نگاہِ شیرین طلب کے آگے
کہ میرا نالہ سریر آرائے عرش تک باریاب ہوگا

اُٹھائیگا تیرہ اختروں کی طرف بھی حُسنِ ازل نگاہیں
ہر ایک ذرّے کا قلب روشن نظر گہِ آفتاب ہوگا

اُٹھینگے رمز آشنائے رقص و سرود لے لیکے سازِ شیون
ہر ایک رنگیں اَدا مغنّی ہلاکِ تارِ رباب ہوگا

مری نظر میں جہاں کی ہر شے میں لاکھ عریاں تجلیاں ہیں
اگر یہی پردہ داریاں ہیں تو کون ناکامیاب ہوگا

طلسمِ اُلفت کی خیر یارب کہ چند دیوانے کہہ رہے ہیں
یہ حسن کا بے حجاب جلوہ کسی کا آخر حجاب ہوگا

سوادِ مشرق کے پاسبانو ہمیں پیمبر صبحِ دلبری ہوں
مری نگاہیں جدھر اُٹھینگی ہجومِ صد آفتاب ہوگا

کچھ ایسا مانوس ہوگیا ہے دلِ حزیں نامرادیوں سے
کسی کی غفلت کے نام میری حیات کا انتساب ہوگا

ادب کی دھندلاہٹوں میں احساں اٹھا ہوں لیکر چراغ جدت
خدا نے چاہا تو میرے دیواں کا ہر ورق آفتاب ہوگا

منصوری کے اسٹیشن پر

چمن میں گیسوئے نسیم صبح مشکبار ہے
نشاطِ سردی سے لالہ زار لالہ زار ہے

مہک رہی ہے بزم دل شمیم عطر بار سے
نسیم میں بسا ہوا ترنم ھزار ہے

ہجوم کیف چھا گیا جہانِ عقل و ہوش پر
فروش سبزہ زار پہ شمیم رقص کار ہے

ترانہ ہائے جانفزا مچل رہے ہیں چار سو

فضائے گلستاں ہے یا فضائے نغمہ زار ہے

چمن میں سیلِ نغمہ ہائے دلنشیں ہے موجزن
ہر ایک پھول حسنِ سرمدی کا آبشار ہے

اُٹھو بھی میکشو اٹھو! اُٹھا وہ ابرِ قیرگوں!
جہاں میں آج ہر طرف بہار ہی بہار ہے

سحر بھی ہے بہار بھی ہوائے مشکبار بھی
مگر ابھی نگاہ کو کسی کا انتظار ہے

غمزہ

نور افشاں تھی جہاں پر اک شبِ ماہِ صیام
صبح کے روزہ کی نیت کر چکے تھے خاص و عام

ہو چلا تھا نور کے تاروں میں پیدا ارتعاش
صحنِ شب میں تھے سحر کے آبگینے پاش پاش

نشہ گوں ٹھنڈی ہواؤں سے فضا سرشار تھی
پتی پتی نازِ فطرت کی امانت دار تھی

نیند میں انگڑائیاں سی لے رہا تھا ہر شجر
آ رہا تھا سبز کاہی رنگ پتوں کا نظر

عکس تھا انوار کا آئینۂ ظلمات میں
ہو رہی تھی صبح کی تعمیر کالی رات میں

گاؤں کے باہر کنویں کے گرد کھیتوں کا سماں
بھر رہا تھا سینۂ شاعر میں ٹھنڈی بجلیاں
جھاڑیوں میں سنسناتی تھی جو تیزی سے ہوا
کان میں آتی تھی شہنائی کی ہلکی سی صدا
کھیتیوں کی گہری گہری سبزیوں پر تھی بہار
چھیڑ رکھا تھا عروسِ صبح نے زرّیں ستار
دے رہا تھا اپنے ذرّوں سے جواب کہکشاں
راستے کی ریت پر گاڑی کے پہیّوں کا نشاں
اتفاقاً اس طرف بھی ہو گیا میرا گذر
جا کے پڑتی ہے جہاں انجامِ ہستی پر نظر
بیخودانہ زندگی پر موت کا تھا اشتباہ
مستتر تھی ذرّے ذرّے میں فنا کی درسگاہ

درد تھا دل میں نمی تھی دیدۂ غمناک میں
تھے فنا کے خواب رقصاں محفلِ ادراک میں
راستے سے فاصلے پر مقبروں کے درمیاں
نرم مٹی پر تھے نازک پاؤں کے تازہ نشاں
خشک تھے نقشِ قدم اور نم تھی شبنم سے زمیں
جس سے ثابت تھا ابھی گذری ہے کوئی نازنیں

(۲)

لیگئے مجھکو وہاں وہ دلنشیں نقش و نگار
تھی جہاں اک ڈھیر پر وہ ماہ وش ماتم گسار
جل رہا تھا جھاڑیوں کی اوٹ میں دھندلا چراغ
جس کے نظارے نے تازہ کردیئے سینے کے داغ
رنگ لبوں کا زمانہ عارضِ گلگوں اُداس

خوبصورت چوڑیاں بکھری ہوئی تھیں آس پاس
گیسوئے شبگوں ہواؤں میں جو تھے عنبر فشاں
جھاڑتی تھی اُس نئی تربت کو اُن سے خستہ جاں
ہونٹ تھراتے تھے جذباتِ جگر افگار سے
خاکِ مرقد کو تھپکتی تھی حسیں رخسار سے
زیب تن تھا بے نیازِ تکمہ رنگیں پیرہن
جُھک کے بولی مرنے والے دیکھ آئی ہے دُلہن
مجھکو کیا معلوم تھا یہ ہے طریقِ روزگار
آہ کیسی لُٹ گئی میری جوانی کی بہار
ہو گئی میرے سکون و صبر کی دُنیا تباہ
مجھکو دے اے موت جلدی اپنے دامن میں پناہ
مرنے والے بول آخر کس لئے خاموش ہے

میری کس تقصیر پر کل شام سے روپوش ہے

میں وہی ہوں کل جو کہلاتی تھی جانِ زندگی

کھول آنکھیں ہو چکا اب امتحانِ زندگی

کیا میر اگریہ تیرے سینے کو گرماتا نہیں؟

رحم کیا تجھ کو مری حالت پہ اب آتا نہیں؟

یہ کتابِ آرزو کی مختصر تفسیر ہے

یہ وفا کے خواب کی بیدار کُن تعبیر ہے

اُف یہ شوقِ جانثاری کا مآلِ زخم کار

کیا یہی ہوتا ہے مجذوبانِ الفت کا شعار

میں محبت کو سمجھتی تھی، نشاطِ دل ہے یہ

اب کھلا عقدہ کہ بحرِ مرگ کا ساحل ہے یہ

اتنا کہہ کر ہو گئی وہ پیکرِ حسرت خموش

بیخودی کو مکتب غم سے ملی تعلیم ہوش
جھلملا اُٹھے گھنی پلکوں پہ آنسو آبدار
اسقدر روئی کہ ٹھنڈی ہو گئی شمع مزار
دل نے دی آواز سینے سے کہ احساں ہوشیار
اسطرح ہوتی ہے طے الفت کی سنگیں رہگذار
صنفِ نازک کی وفا میں ہمتِ مردانہ ہے
شمعِ کشتہ پر جو جلتا ہے یہ وہ پروانہ ہے

شبابِ چمن

جہانِ آرزو پہ آج فضلِ کردگار ہے
ہوائیں نغمہ ریز ہیں فضاؤں میں خمار ہے
چمن کے پھول پھول پر مسرّت بہار ہے
ہجومِ شاخسار سے ٹپک رہی ہیں مستیاں
بسی ہوئی ہیں کوہسار میں گلوں کی بستیاں
شعاعِ مہر زرفشاں نسیم مشکبار ہے
زمینِ گلستاں پہ سلطنت سی ہے بہار کی
فضائے سبزہ زار میں جھلک ہے جلوہ زار کی
یہیں کہیں چھپا ہوا وہ جانِ نوبہار ہے
نسیم صبح باغ میں پیام گیا سنا گئی

بہارِ شوق کیسی صحنِ گلستاں پہ چھا گئی
نشیب پر جھکی ہوئی جبینِ آبشار ہے
ہے موتیوں میں اوس کے جمالِ مہر جلوہ گر
سنبھالنا کہ بیخودی کا مجھ پہ ہو چلا اثر!
بسی ہوئی گلی گلی میں بوئے زلفِ یار ہے
وہ طائرانِ خوش بیاں کی سوزشِ نہاں گئی
بہار ہے بہار ہے خزاں گئی خزاں گئی
جہانِ بیقرار ایک خوابِ بیقرار ہے
تڑپ رہا ہے خاکِ گلستاں میں جذبۂ نمو
ہے خار و گل میں چپکے چپکے باہمی یہ گفتگو
بندھا ہوا خزاں کے ساتھ دامنِ بہار ہے!
یہ اودی اودی آسماں پہ جھومتی ہوئی گھٹا

خیالِ عاقبت کو چھوڑ ساقیا پلا پلا
حیات چند روز ہے شباب مستعار ہے

—— ۰ ۵(۰) ۲ ۰ ——

ایک تصویر کو دیکھ کر

دیکھ اے دل کون ہے اس پردۂ تصویر میں
سحر ساکن ہو گیا ہے حسرت تشہیر میں

حشر در دامن ہے انوارِ تبسّم کی ضیا
اک تو عورت اور پھر اُس پر جوانی رونما

پیکرِ صد رنگ و بو جانِ بہارِ زندگی
زندگی میں ساقیِ میخانہ زارِ زندگی

مرہمِ زخمِ جگر حسن و فا کی کائنات
غازۂ روئے طرب مشاطۂ زلفِ حیات

فخرِ بزمِ آرزو حسنِ خیالستانِ دل
شوکتِ اوجِ تخیل حاصلِ دیوانِ دل

سوز کی تکمیل چشمِ برق پرور کا فسوں
باعثِ شورِ قیامت مطربِ سازِ جنوں

مطلعِ دیوانِ فطرت مقطعِ نظمِ جہاں
قدسیوں کے دلنشیں خوابوں کی رنگیں داستاں

پردۂ چشمِ بصیرت پر نقوشِ رنگ و بو
خاک کے ذرات میں یزدانیت کی آرزو

تیغ کا جوہر کماں کا لوچ تیروں کی زباں
نافۂ مشکیں جمالِ شعر سازِ قدسیاں

کیف کی دنیا، نشے کی نہر، گلشن کی بہار
شمع کی لرزش، قمر کا نور، پھولوں کا نکھار

محفلِ انجم کی سرگوشی، صبا کی تھرتھری
چاندنی شب کی ردا، نغمات کی افسوں گری

کہکشاں کی جلوہ ریزی، انجمستاں کا جمال
آنسوؤں کی جھلملاہٹ، برق کی تیغِ جلال

کونپلوں کی سادگی، معصوم کلیوں کی چٹک
سبزہ زاروں کی لہک، خوش رنگ پھولوں کی مہک

الغرض یہ نازشِ نیرنگئ کون و مکاں
نرم دل والوں پہ برساتی ہے ٹھنڈی بجلیاں

کسی کی یاد

دل میں پھر بیتاب جلووں کی جھلک پاتا ہوں میں
منزل ہستی سے پھر کوسوں پرے جاتا ہوں میں
اُف وہ میری بیخود و مخمور راتیں لٹ گئیں
جلوۂ صد رنگ سے معمور راتیں لٹ گئیں
جن میں رخشاں تھے ہزاروں طور راتیں لُٹ گئیں
بھولنے والے تجھے بھی یاد آجاتا ہوں میں؟

بیٹھے بیٹھے مجھکو آجاتی ہے جب یادِ بہار
گرد ہو جاتی ہے آنکھوں میں ہوائے عطر بار
مارتا ہے جوش تسکینوں سے دل کا انتشار

کشمکش کی مضطرب موجوں میں کھو جاتا ہوں میں

چاند جب باغوں کی تاریکی میں برساتا ہے نور
صبح دم جب ٹوٹ جاتا ہے اندھیرے کا غرور
جب سناتی ہے نسیمِ مست نغماتِ سرور
ہر قدم پر لڑکھڑا کر ٹھوکریں کھاتا ہوں میں

جب جھلکتی ہیں شعاعِ مہر سے پیشانیاں
وجد کرتی ہیں فضا میں نور کی طغیانیاں
جوش زن پھر اور ہوتی ہیں مری حیرانیاں
اُف ترا دھندلا تصور سامنے پاتا ہوں میں

ایک دن وہ تھا کہ میں تھا اور تیری جلوہ گاہ
تیرتی تھی انجمستانِ تبسم میں نگاہ
بھولنے والے نہ کر احسان کو اپنے تباہ

خواب میں بھی اب تو صورت کو ترس جاتا ہوں میں

جوش پر آئیگا دریائے تمنا ایک دن
دل کو لے ڈوبیگی ارمانوں کی دنیا ایک دن
ضبط سے ہو جائے گا پانی کلیجہ ایک دن
تیری شرمیلی نگاہوں کی قسم کھاتا ہوں میں

جہانگیر کے مقبرے پر ایک شام

آج تک ہے اک سہانی شام نازِ بزمِ ہوش
خواب کی پریاں تھیں بازارِ جہاں میں زرفروش
پرچمِ ظلمت سرِ تنویر لہرانے کو تھا
صبح کا خوابِ نظر تعبیر بن جانے کو تھا
آم کی شاخیں نظر آتی تھیں مرجھائی ہوئی
گرد تھی پتوں پہ رہگیروں کی ٹھکرائی ہوئی
باغ کی خاموشیوں میں جذب تھا غوغائے عام
نور کے دل میں تھا ظلمت کا خیالِ ناتمام
عرصۂ عالم پہ ظلمت چھاؤنی چھانے کو تھی

دھوپ کے مارے بیابانوں کو نیند آنے کو تھی
آ رہا تھا اُونگھتے کھیتوں سے بل کھاتا ہوا
منچلا دہقاں رسیلی راگنی گاتا ہوا
گامزن تھی جادۂ تخییل پر لے کر چراغ
کھیتیوں کی نکہتِ تاریک سے بزمِ دماغ
آسماں برسا رہا تھا جلوۂ حُسنِ شفق
ل رہے تھے بھیک میں جنگل کو سونے کے ورق
ہسرد تھیں ذرّات کی تپتی ہوئی پیشانیاں
دم بخود تھیں فکر میں ڈوبی ہوئی ویرانیاں
رفتہ رفتہ کھل رہے تھے گیسوئے لیلائے شام
ڈھالتا تھا دن کے شیشے میں کوئی صہبائے شام
بن گیا تھا میرے گیسوئے تخیل کا بنا دَ

ہانپتے رستوں کا اطمینان، شاخوں کا جھکاؤ
عکس افگن تھی بصد انداز شیریں روح پر
آسماں کے زر فشاں جلووں کی شرمیلی نظر
اپنی دُھن میں گنگناتا جھومتا جاتا تھا میں
ان مناظر کو نظر سے چومتا جاتا تھا میں

(۲)

چلتے چلتے سامنے وہ مقبرہ آیا نظر
دفن جس میں اکبرِ اعظم کا ہے لختِ جگر
دیکھکر یہ محفلِ دوشینہ کی شمعِ خموش
جاگ اٹھا احساس روشن ہوگئی قندیلِ ہوش
یہ زمیں اُس تاجدارِ ہند کی ہے پردہ دار
جسکے آئینِ جہانبانی رہیں گے یادگار

ہے یہاں روپوش دورِ مغلیہ کا آفتاب
ہے یہاں انساں کی ہستی کا معما بے نقاب
اس جگہ آتے ہیں انساں غم سے گھبرائے ہوئے
زندگی کی شورشِ پیہم سے اُکتائے ہوئے
ہے یہاں ہر شئے مجسّم عشق کی اک یادگار
ذرّہ ذرّہ عشرتِ ماضی کا ہے آئینہ دار
خلق کے روندے ہوئے مجبور آتے ہیں یہاں
آکے اکثر اہلِ دل آنسو بہاتے ہیں یہاں
ہے یہاں مستور نازِ حسن۔ شانِ انجمن
ہے یہاں خوابیدہ روحِ عدل، جانِ انجمن
یہ شبستانِ جہانگیری ہے بابِ حسن و عشق
اہلِ باطن کے لئے درسِ کتابِ حسن و عشق

ہے یہاں نظارۂ آغاز انجام حیات
ڈگمگاتے ہیں یہاں چلتے ہوئے گامِ حیات
مرچکی ہو جسکی غیرت سو چکے ہوں ولولے
وہ مری آنکھوں سے دیکھے میری کانوں سے سُنے
مٹ چکا دورِ جہانگیری زمانہ ہو گیا
اب بھی میناروں سے آجاتی ہے سطوت کی صدا
دبدبے سے اب بھی ہے ساکن فضائے قیل و قال
اب بھی محرابوں پہ ہے چھایا ہوا رعب و جلال
اب بھی خاموشی کے پردے میں ہے آواز درا
سننے والے اب بھی سنتے ہیں نقیبوں کی صدا
آجتک بھی ہے شکوہِ شہر یاری بر قرار
روکتی ہے آندھیوں کو پاسبانوں کی پکار

اب بھی پریاں گنگناتی ہیں رو پہلی رات میں
آجتک شیشے کھنکتے ہیں بھری برسات میں
اب بھی دروازوں میں ہے تیغوں کی جھنکاروں کی گونج
ترقص اب بھی یہاں رہتی ہے نقاروں کی گونج
اب بھی جھکتی ہے یہاں پیشانیٔ شمس و قمر
آجتک سونا برستا ہے یہاں شام و سحر
خاک کے ذرے نظر آتے ہیں تھراتے ہوئے
سانس رکتی ہے بگولوں کی یہاں آتے ہوئے
چھائی رہتی ہے فضاؤں میں خموشی سربسر
سرد ہو جاتی ہے آتش ریز سورج کی نظر

(۳)

یہ تو سب کچھ ہے مگر پہلی سی اب باتیں نہیں

وہ خوشی کے دن نہیں وہ عیش کی راتیں نہیں

محفل مسلم میں فردوسی ترانے اب کہاں
شوق کی راتیں نہیں عشرت کے فسانے اب کہاں

میکشوں کے سامنے انجام مستی آ گیا
حق پرستی جا کے دورِ زر پرستی آ گیا

بند ہے بھوک کے غریبوں کی نقاہت سے زُباں
شام کو اکثر نہیں اُٹھتا ہے چولھوں سے دھُواں

بڑھتی جاتی ہے بچوں میں پریشانی بہت
ہند میں ہے فاقہ مستوں کی فراوانی بہت

منعموں کا کیا ہے کٹتی ہے وہاں حوروں میں رات
لیکے طغیانِ الم آتی ہے مزدوروں میں رات

مٹ چکی رسم وفا بدنام الفت ہو چکی

ہو چکی معدوم دُنیا سے صداقت ہو چکی !
گاہ اک طوفانِ اشکِ بیقرار آنکھوں میں ہے
گاہ پہلی عشرتوں کا انتظار آنکھوں میں ہے

(۴)

دیر تک دیکھا کیا میں یہ طلسم انقلاب
اشک برساتی رہی احساں مری چشم پُر آب
آتے آتے ملکۂ شب کی سواری آ گئی
شام کے گُلرنگ عارض پر سیاہی چھا گئی
ساحرِ فطرت نے افسوں پڑھ دیا گلزار پر
ٹکٹکی باندھی ستاروں نے در و دیوار پر
میں کہ ننگِ زندگانی اشک برساتا ہوا
آ گیا واپس دلِ مضطر کو سمجھاتا ہوا

ایک بیوہ کو دیکھکر

عجیب حسرت برس رہی ہے فضا پہ ایک بیکسی ہے طاری
ٹپک رہا ہے جہاں کی ہر ایک شے سے اندازِ اشکباری
فلک کے ہاتھوں اجڑ رہی ہے شباب کی پُربہار بستی
الم کے نرغے میں آ رہی ہے اُمید کی زر نگار بستی

یہ ماتمِ حُسن بزم پرور، یہ پائمالِ ستم جوانی
یہ زخم خوردہ شبابِ رنگیں یہ نالہ یابِ الم جوانی
یہ رنج زہرہ گداز اسکا یہ غم جنبت بدوش اسکی
یہ فرطِ گریہ سے خشک آنسو، یہ چشم ساغر فروش اسکی
یہ انجمستاں کی جلوہ پاشی یہ اسکی لبریزِ آہ راتیں
یہ اسکی فریاد کا تلاطم، یہ اسکی عشرت پناہ راتیں

بنی ہیں باران اشک رنگیں چمن میں پڑتی ہوئی پھواریں
جگر میں نشتر لگا رہی ہیں خوشی میں گذری ہوئی بہاریں

غم و الم کا سیاہ بادل دلِ حزیں پر گھرا ہوا ہے
کچھ ایسی قسمت نے آنکھ پھیری زمانہ سارا پھرا ہوا ہے

لباس گریہ بدل رہی ہیں خوشی کی راتوں کی داستانیں
سکونِ دل پر کھنچی ہوئی ہیں ملال و اندوہ کی کمانیں

قلیل سرمایہ خرچ افزوں زمانہ آنکھیں دکھا رہا ہے
خموش لب تھرتھرا رہے ہیں خیال بچوں کا آرہا ہے

جہاں کے انبوہِ بیکراں میں نہیں کوئی غمگسار اسکا
ہے آج قسمت کی خوبیوں سے ستمزدوں میں شمار اسکا

شعر و شعریت

فی الحقیقت شعر ہے تصویرِ احساسِ لطیف
یا تخیل کے سمندر کی ہے اک موجِ خفیف

یا عروسِ آرزو کے رُخ پہ جلووں کی نمود
بیخودی میں خامۂ گلریز کے نقشِ سجود

یا سکوتِ جنتِ معنی میں موجِ سلسبیل
یا کتابِ دردِ مہجوری کا عنوانِ جمیل

یا دلِ درد آشنا کا غم فزا طرزِ بیاں
یا شبِ غم میں گذشتہ عشرتوں کی داستاں

یا سرِ بزمِ عدم انوارِ قندیلِ حیات
یا خیالِ بے نیازِ ما و تو کی کائنات

یا پرستارِ جنوں کی عارفانہ گفتگو
یا سعادت کے نشّے میں کافرانہ گفتگو

یا خیالوں میں حیاتِ جاودانی کی نمود
یا زلیخائے معانی کا تلفظ میں شہود

یا کسی پامالِ حسرت کی فغانِ دلگداز
یا تصوّر میں خیالِ دوست سے راز و نیاز

یا سرِ موسیقیت رنگینیٔ حسنِ خیال
یا کوئی ہلکی سی فریادِ نگاہِ پائمال

یا تخیّل کے اُفق پر برقِ سینا کی چمک
یا کسی صیقل گرِ ہستی کے دامن کی جھلک

یا شعاعِ آفتابِ عشق کے زریں نقوش
یا کسی مژگانِ خون آلود کے رنگیں نقوش

یا ہجوم شوق کی دنیا کا اک صادق گواہ
یا سرِ قرطاس اک روداد جادوئے نگاہ

شعر کے اسرار زندانِ بیاں سے دور ہیں
نطق بے حس ہے، یہاں عقل و خرد مجبور ہیں

(۲)

سر دِ فوارے پہ سورج کی شعاعِ زرفشاں
صبحدم دوشیزہ کلیوں کے تبسّم کا سماں
مست ساون کی بہاروں میں تبسّم پاش رات
ابر پاروں سے مہِ نو کی نگاہِ التفات
دُوب کے ریشوں پہ شبنم کی جھلکتی بوندیاں
مرمریں قدموں سے سبزے پر خرامِ دلستاں

گوشۂ گلزار میں صبحدم بادِ صبا کی گفتگو
ٹوٹتی راتوں میں آہوں کو اثر کی جستجو
گرمیوں کی دھوپ سے بیدل سفر میں تشنگی
خشک پتوں سے بگولوں کی انوکھی دل لگی

بارشوں میں سینۂ دریا پہ بوندوں کا سماں
شامِ غربت کے دھندلکے میں نیاں دوستاں
سردیوں کی رات میں اک بھولنے والے کی یاد
نزع کی ہچکی سے کہہ جانا ستم کی روئیداد
نرم و نازک شاخساروں میں ہواؤں کی سنک
باغ میں وقتِ سحر معصوم کلیوں کی چٹک
آسماں پر صبحدم لرزاں ستارے کی نگاہ
چاندنی میں راستوں پر ندیوں کا اشتباہ

ہے مزیّن شعرّیت ہی سے تو ایوانِ حیات
اس چراغاں سے درخشاں ہر شبستانِ حیات

خوابِ شباب

کمالِ حُسن کو پہنچی نہ جستجو کی نظر
تمام عمر رہینِ صد اضطراب رہی
رہی نگاہ پریشاں تلاشِ ساقی میں
ہر ایک سانس الم خوردۂ شراب رہی
چمن کا رنگ جھلکتا رہا شرار و نمیں
مری بہارِ جوانی مرا نقاب رہی
قدم قدم یہ زمانے نے کروٹیں بدلیں

ہر ایک چیز گرفتارِ انقلاب رہی

مجھے طبیعتِ صورت پرست نے مارا

فریب خوردۂ افسونِ آب و تاب رہی

مری حیاتِ تغافل شعار بصد افسوس

حجابِ عقل سے نامحرمِ حجاب رہی

کیا نہ غور کبھی رازِ شبستاں پر

شعاعِ مہر سے ہر بوند زخم یاب رہی

مگر وداعِ جوانی کا وقت جب آیا

نہ گل رہے نہ وہ گلبازیٔ شباب رہی

پڑی ہے اوس مجالس کی خوش مذاقی پر

شکستہ پائیٔ اندوہ کامیاب رہی

نہ ہے چمن میں وہ دلکش غنودگی کا سماں

نہ وہ جمال فروشیٔ ماہتاب رہی

ہر ایک تان پہ جس کی تڑپ اُٹھیں روحیں

نہ دلنشیں وہ خوش آہنگیٔ رباب رہی

نہ سن نہ سن مری روداد غم طراز نہ سن!

شب بہار جوانی برنگ خواب رہی

غم والم سے تصادم رہا اُمیدوں کا

نشاط زینت عنوان انقلاب رہی

تمہاری یاد

بہار کی ایک دوپہر تھی شجر جوانی پہ آرہے تھے
گلوں کے جھرمٹ پہ مست بھونرے فضا میں حلقے بنا رہے تھے
روش پہ شبنم کے چند ٹکڑے پڑے ہوئے جگمگا رہے تھے
حسین کلیوں کے ننھے سائے جگہ جگہ تھرتھرا رہے تھے
زمانہ محوِ طرب تھا لیکن مجھے تم ہی یاد آرہے تھے

وہ دشتِ معصوم کی صباحت وہ شدتِ حسنِ بے ریائی
وہ بھیگی بھیگی سی زرد کرنیں پٹی ہوئی دھند سے ترائی
وہ جھیل میں فرش بجلیوں کا وہ گھاٹ، پرشان دلربائی
وہ دور رنگیں بطوں کے جوڑے وہ چپہ طرف حاشیے پہ کائی
زمانہ محوِ طرب تھا لیکن مجھے تم ہی یاد آرہے تھے

وہ صبحِ صادق کی روشنی میں چناب[1] کا بے خبر کنارا
وہ بامِ مشرق سے بارشِ زر وہ رات کا رخصتی نظارا
زمیں پہ شبنم کی جھلملاہٹ فلک پہ ہنستا ہوا ستارا
وہ مسکراتی ہوئی سی موجیں وہ گنگناتا ہوا سا دھارا
زمانہ محوِ طرب تھا لیکن مجھے تم ہی یاد آرہے تھے

وہ چار سو حسنِ برشگالی وہ سرمئی جھومتی گھٹائیں
وہ جنگلوں کے گھنے درختوں میں مست طاؤس کی صدائیں
وہ نرم و نوخیز کونپلوں کی حسین دیوانہ گر ادائیں
وہ دور تک نرسلوں کا خطہ وہ سنسناتی ہوئی ہوائیں
زمانہ محوِ طرب تھا لیکن مجھے تم ہی یاد آرہے تھے

وہ شامِ رنگیں کہ تھی نمایاں نقوشِ فطرت سے زندگانی
طیور نغمے الاپتے تھے نہ تھم رہا تھا ہوا سے پانی

[1] پنجاب کے ایک دریا کا نام ہے

وہ چرخ پر سُرخ سُرخ بادل وہ پھول کھیتوں میں آسمانی
زمیں پہ جادو جگا رہی تھی فلک سے برسی ہوئی جوانی
زمانہ محوِ طرب تھا لیکن مجھے تم ہی یاد آرہے تھے

دریائے توی کے ساحل پر شام

عجب انداز سے زلفِ عروسِ شام لہرائی
چمن زار دل نے جب سادھی بیابانوں کو نیند آئی
شفق کا سُرخ آنچل آئینہ ہے شادمانی کا
فلک سے مینہ برستا ہے شرابِ ارغوانی کا
عجب دلکش سماں ہے آبشاروں کی روانی کا
سنہری وادیوں میں کھنچ گیا نقشا جوانی کا

ڈھلا جاتا ہے سانچے میں سکوں کے کرب روحانی
صباحت زار میں کھوئی ہوئی ہے بزمِ انسانی

دھندلکا کروٹیں لے لیکے اٹھا رہگذاروں سے
عبودیت کے جذبے پھوٹ نکلے شاخساروں سے
اُبلتی ہیں جنوں زا مستیاں کیا لالہ زاروں سے
چھلک نکلے نشاط افزا ترانے جوئباروں سے

روپہلے برف زاروں کی ہوا جس وقت چلتی ہے
دیارِ دل کی دنیا نیند میں کروٹ بدلتی ہے

ہجومِ کرمکِ شب تاب ہے شب کی رداؤں میں
ستارے تیرتے ہوں جس طرح بیخود ہواؤں میں
کمانِ برق بن بن کر بگڑتی ہے فضاؤں میں
ترانے کھیلتے ہیں آبشاروں کی صداؤں میں

تصور میں کسی کے عارضِ پُرنور کا نقشا
شبابِ حور کا نغمہ شرابِ طور کا نقشا

ندی کے موڑ پر اک جلوۂ بیتاب کا عالم
وہ دیوانہ روی میں موجۂ گرداب کا عالم
بہارِ رقص گاہِ انجم و مہتاب کا عالم
درخشندہ بہشتوں کے مقدّس خواب کا عالم

چراغانِ فلک کی ضوفشانی ہے بہاروں پر
نگاہیں رقص کرتی پھر رہی ہیں برق پاروں پر

یہ سناٹا یہ ہیبت اور یہ بیتاب نظارے
یہ آبی فرش پر کیفِ طرب میں جھومتے تارے
یہ آئینہ میں جنباں مضطرب جلووں کے گہوارے
تڑپتے ہیں بساطِ آب پر گر گر کے مہ پارے

چٹانوں پر ہے اک خواب آفریں مدہوش خاموشی
سکوت اندوز غاروں میں تکلم کوش خاموشی

معصومیت

ایک بچہ کو دیکھ کر

جگر پارہ یہ جانِ زندگی طفلِ حسیں
یہ تو سب مانا کہ دنیا سے ابھی واقف نہیں

شمع پر گرتا نہیں یہ بے سبب پروانہ وار
اسکا دل شائد مرے دل کی طرح ہے بیقرار

مجھ پہ ہوتا ہے عجب اسکے تبسم کا اثر

دیکھتا ہوں دل میں اک برقِ مسرت جلوہ گر
مسکرا کر جب یہ سینے سے لپٹتا ہے کبھی
کائناتِ دل پہ چھا جاتا ہے کیفِ بیخودی

یہ ذرا سی جان اور بیگانۂ پرخاش وکیں
فتنۂ آبادِ جہاں میں بے نیازِ کفر و دیں
مرکزِ حسنِ تمنا شاہدِ بزمِ نگاہ
پیکرِ محبوبیت، ناواقفِ ذوقِ گناہ

بادۂ معصومیت میں مستیِ جوشِ نمود
بحرِ ہستی کے طغیانِ تمنا کا ورود
اسکی ماں جب گیت گا گا کر جھلاتی ہے اسے
رحمتِ حق تھپکیاں دیکر سلاتی ہے اُسے

مجھکو طفلی کا زمانہ اسطرح آتا ہے یاد
جس طرح یادِ وطن میں غرق کوئی نامراد

گلشنوں میں کیف برساتی ہوئی بادِ نسیم
روح کی وسعت پہ لہراتی ہوئی موجِ شمیم

مست ساون کی پھواروں میں گلوں کی انجمن
سبزہ زاروں میں ہوا سے پیچ و خم کھاتے شکن

صبحِ صادق کے دھندلکے میں پڑے کونے کے پاس
کروٹیں لیتی ہوئی شاخوں سے کلیوں کا نکاس

تشنگی میں میکشوں کو مژدۂ مینائے مَے
چاندنی راتوں میں لہراتی ہوئی بنسی کی لے

مینہ برس کر رات کو چھٹ جائیں بادل جسگھڑی
لہلہاتے مرغزاروں پر رو پہلی چاندنی

یا گجرِ دم سرد جھونکوں کا خرامِ تازہ کار
ہر گلِ شاداب پر شبنم کی بوندیں بیقرار

ذہن میں ایّامِ طفلی کو جو دہراتا ہوں میں
بیخودی کے بحرِ بے پایاں میں کھو جاتا ہوں میں

شامِ برشگال

ہوائیں دم بخود ہیں دم گھٹا جاتا ہے سینے میں
مئے جذبات ہے بیرنگ دل کے آبگینے میں

خس و خاشاک ہیں تو نے ہوئے پتّا نہیں ہلتا
گلستانِ تمنّا میں کوئی غنچہ نہیں کھلتا

دلوں کے ولولے مایوس ہیں آغوشِ حسرت میں

اداؤں کے شگوفے خشک ہیں باغِ نزاکت میں
جدھر دیکھو در و دیوار سے آنچیں نکلتی ہیں
پسینہ بہ رہا ہے ہڈیاں شاید پگھلتی ہیں
لپٹ دہکے ہوئے شعلوں کی آتی ہے ہواؤں میں
جہنم جذب ہو کر رہ گئے شاید فضاؤں میں
اُداسی کا سماں ہے مرغزاروں گلستانوں میں
چھپے بیٹھے ہیں خوش الحان طائر آشیانوں میں
فلک پر کالے کالے ابر گرمائے ہوئے آئے
شرابِ سرخ سنجافوں پہ چھلکائے ہوئے آئے
نکل کر جب نقابِ ابر سے بجلی چمکتی ہے
جبینوں میں خطِ تقدیر کی سُرخی جھلکتی ہے

طلسمِ زندگی

صبحدم اک دن فلک پر ہلکا ہلکا ابر تھا
رقص کرتی تھی فضاؤں میں ہوائے جانفزا
پھول کی ہر ایک پتی پر تھا فطرت کا نکھار
دل پہ جادو کر رہی تھی آب و تاب لالہ زار
دفعتاً چمکی افق پر صبح کی پہلی کرن
جگمگا اٹھی گلابی بدلیوں کی انجمن
آشیاں میں چہچہائی بلبلِ شیریں نوا
نرم و نازک ڈالیوں نے جھک کے سجدہ کر دیا
جسم کی ہر رگ میں تھی دوڑی ہوئی روحِ بہا

جس طرح ساون کی پچھلی رات میں آتی ہوا
یا کہیں کہسار کے دامن میں شغلِ میکشی
یا لبِ جُو چاندنی میں میٹھی میٹھی راگنی
یا کھلے میداں میں جب ہو چودھویں شب جلوہ گر
بانسری کی دلربا آواز کانوں پر اثر

الغرض میں تھا غریقِ نشۂ زارِ حُسنِ دوست
خارزاروں میں بھی رقصاں تھی بہارِ حسنِ دوست
جا رہا تھا میں عجب انداز سے گاتا ہوا
اشرف المخلوق کہلانے پہ اتراتا ہوا
تھی مرے دائیں طرف گورِ غریباں کی زمیں
جس میں زیرِ خاک سوتے تھے ہزاروں نازنیں

پاس کونے کی طرف برگد کے سائے کے قریب
جب نظر اٹھی تو دیکھا ماجرائے غم عجیب
آنسوؤں کی بارشوں میں فاتحہ کے شور میں
اک جواں میت اتاری جا رہی تھی گور میں

رونمائی کے لئے جب وا کئے بندِ کفن
تلملا اٹھی مری عبرت کی بے حس انجمن
دل یہ بولا آہ بس یہ ہے مآلِ زندگی
اڑ گیا اک آن میں رنگِ جمالِ زندگی
اب کہاں غم خانۂ دل میں مسرت کی جھلک۔
چھن گیا آنکھوں کا جادو لٹ گئی رخ کی دمک
مٹ گیا زعمِ جوانی اڑ گیا رنگِ شباب

زندگی تھی رہگزاروں میں کسی پیاسے کا خواب
طبع پر جس کی گراں تھی تک تھی ہمراز دنوں کی بات
اسکو اب نیچا دکھاتا ہے اصولِ کائنات

اسکی امیدوں کا دنیا میں کوئی والی نہیں
اسکے سانسوں کو فضاؤں میں جگہ خالی نہیں
غلغلہ اسکا گرج میں بادلوں کی کھو گیا
رُوح کا شعلہ جلالِ برق میں گم ہو گیا

رک گئی ساحل پہ جاکر کشتیٔ عمرِ عزیز
کیا ہے اب یہ پیکرِ خاکی یہ ہے کس کو تمیز
یہ وہ شعلہ ہے جسے گردوں دبا سکتا نہ تھا
ہاں مگر موجِ فنا کی تاب لا سکتا نہ تھا

ہو گئے معدوم امواجِ نظر کے پیچ و تاب

جم گئی ہے ساتگینِ چشم مینا میں شراب

الوداع اسکو غرور و ناز و عشوہ کہہ گئے

شہپرِ مرغِ تکلم قطع ہو کر رہ گئے

مطلعِ ہستی پہ ابرِ نیستی چھا کر رہا

ذرہ ذرہ اپنے مرکز کی طرف جا کر رہا

کل جو گویا تھا وہ بھولا آج ساری قیل و قال

دیکھ آنکھیں کھول، یہ ہے زندگانی کا مآل!

نزع کے ٹھنڈے پسینوں میں تبسم بہہ گیا

ہر رگِ ساکت میں جذبہ دم ہو کر رہ گیا

کل زیالوں پہ تھا جسکے خود نمائی کا سرور

آج اسکی عاجزی پر خون روتا ہے غرور

آہ کھل کر زندگانی کی کلی مرجھا گئی

روح کے جاں بخش نغموں پر یہ خموشی چھا گئی
بزمِ ہستی کا سفینہ غرقِ دریا ہو گیا

بھولے بھالے! یہ ہی انجامِ حیاتِ بیوفا!
جینے والے خاک جینا ہے یہ مرنے کے لئے
شرم! آئینہ اٹھاتا ہے سنورنے کے لئے

کسان

فضا ویران ہے گرمی کی شدت ہے زمانے میں
مگر مصروف ہیں بیچارے دہقاں ہل چلانے میں
یہ انساں بجھ کے ہاتھوں پر چھالے پڑے ہوئے ہیں جن کے شانوں پر
ہے مہرِ آدمیت ان کی زریں داستانوں پر

دلِ مجروح میں امید کی تابانیوں والے
کڑکتی دھوپ میں تپتی ہوئی پیشانیوں والے
یہی دہقاں چلاتے ہیں جو ہل بنجر زمینوں میں
چراغِ آرزو سے دل ہیں روشن انکے سینوں میں
یہ وہ انساں ہیں دامانِ شفقت میں جو پلتے ہیں
جہاں سوتا ہے اور یہ آبیاری کو نکلتے ہیں
نہیں ہوتا ہے اسدم ذکرِ ہو حق پارساؤں میں
جُدا بچوں سی ہو جاتے ہیں یہ تاروں کی چھاؤں میں
یہ اسدم کھیت میں جاتے ہیں اٹھکر خوابِ راحت سے
نہیں چھوتی ہے مضرابِ اذاں جب سازِ طاعت سے
انہیں پایا ہے گاتے اس گھڑی سنسان راہوں میں
نہیں ہوتا اُجالا شہریوں کی خوابگاہوں میں

فضا سرشار جب ہوتی ہے ساون کے ترانوں سے
کوئی پوچھے تو پھر ان شیر دل بھولے کسانوں سے
برستے بادلوں میں کھیتیاں جب لہلہاتی ہیں
تو ان کی آرزوئیں جھومتی ہیں مسکراتی ہیں
زباں پر شکر ایزد ان کی سو سو بار ہوتا ہے
یونہی تو رحمتوں والے کو ان سے پیار ہوتا ہے
یہاں آتی ہیں لیکر نعمتیں کاسہ گدائی کو
جہاں محتاج ہے ان کے پسینے کی کمائی کا
انہیں کے بازوؤں سے ہیں بہاریں گلستانوں کی
انہیں کے دم سے ہے تعلیم جاری نوجوانوں کی
انہی قانون کے ماروں میں ذوق پارسائی ہے
اسی طبقے کے حصے میں جہاں کی ناخدائی ہے

تاثراتِ نغمہ

مرحبا اے مطرب سرمایہ دارِ بیخودی
تیری چشمِ مست ہے آئینہ دارِ بیخودی

زمزمے کی ہر لچک ہے چشمکِ برقِ جمال
لحن کی انگڑائیاں لاتی ہیں پیغامِ وصال

مستیاں بھر دیں کسی نے دیدۂ بیدار میں
وجد ساماں ہے کوئی ہر تار کی جھنکار میں

ہر رگِ بیتاب کو ہے نیند سی آئی ہوئی
مطلعِ دل پر ہے نشے کی گھٹا چھائی ہوئی

ہے رخِ فطرت پہ ہلکی سی صباحت کی نقاب
گونج کا پردہ اُلٹنے کو ہے لیلائے رُباب

تھاپ سے دُھرپت[1] کی جب ہوتے ہیں نغمے بیقرار
کروٹیں لیتی ہے دل میں نزہت میخانہ زار
رفتہ رفتہ کھُلنے لگتے ہیں رموزِ کائنات
راگنی مشعل دکھاتی ہے سرِ قصرِ حیات
تیرتی ہے بحرِ مستی میں نگاہِ بیقرار
گونجتے ہیں دل کی وادی میں سُریلے آبشار
نغمے جب تانوں کے طیاروں میں ہوتے ہیں بلند
پھینکتی ہے روُح بامِ عشق پر زرّیں کمند

—— ۳ ——

چوٹ کھاتا ہے جونہی مضراب سے بربط کا تار
چونک چونک اُٹھتے ہیں دل کے ولولے بے اختیار
آسمانوں کی بلندی سے یہ آتی ہے صدا

[1] ایک گت کا نام ہے

دیکھ اب چلمن اٹھاتا ہے کوئی آتش نوا
زلفِ موسیقی بکھرتی ہے ہوا کے دوش پر
خواب کی بدلی مچلتی ہے بساطِ ہوش پر
زمزمے ہر تار سے اٹھتے ہیں تھراتے ہوئے
اور دل میں جذب ہو جاتے ہیں بل کھاتے ہوئے
گلشنِ احساس میں رنگینیاں پاتا ہوں میں
حسن کی مخمور وادی میں اُتر جاتا ہوں میں
تان کو لیکر جو پنچم میں پہنچ جاتا ہے تو
روح میں بالیدگی کی لہر دوڑاتا ہے تو
ہر طرف ہوتا ہے برپا محشرِ تقریرِ دوست
جھلملاتی ہے نظر کے سامنے تصویرِ دوست
دل پہ چھا جاتا ہے متوالی بہاروں کا سماں

جھومتا ہے سامنے ابرِ شرابِ ارغواں ؎

پھرتی ہے بادِ صبا مستی میں سر دُھنتی ہوئی

رونے والے عاشقوں کی ہچکیاں سنتی ہوئی

موجزن ہوتا ہے کیفِ بیخودی نزدیک و دُور

ذرّے ذرّے سے اُبل پڑتا ہے دریائے سرور

دل یہ کہتا ہے اسی جنّت میں گُم ہو جائیے

بزمِ گُلہائے نغمہ ریز کیف میں کھو جائیے ؎

مست و متوالی فضا میں جھومتا پھرتا ہے حُسن

اشکبار آنکھوں کے آنسو چومتا پھرتا ہے حُسن

نغمۂ راحت

مرغزارِ آرزو میں ہے بہار آئی ہوئی
حسنِ فطرت کی جہاں میں کارفرمائی ہوئی
دلنشیں تانوں میں گم ہیں نغمہ پیرانِ چمن
زلفِ موسیقی فضاؤں میں ہے لہرائی ہوئی

دہر کی ہر شے جواں معلوم ہوتی ہے مجھے
ہے تخیل پر مسرت کی گھٹا چھائی ہوئی
مسکراہٹ نیم وا غنچوں کی ہے اختر فروش
ہر چمن زادی پہ ہے دوشیزگی چھائی ہوئی

ہر روش پر ہے نگاہوں کو گمانِ میکدہ
جو فضا اٹھی خمار آلود انگڑائی ہوئی

ساقیٔ فطرت نے کھولا ہے درِ میخانہ آج
رندِ عالی ظرف کو ہر پھول ہے پیمانہ آج

غنچہ افشاں [illegible] بہار
ہر گلی [illegible] عنوانِ بہار

[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible] ساغرِ مستانہ [illegible]

مست سبزہ، بے خبر کلیاں، [illegible]
یہ بہارِ گلستاں ہے یا گلستانِ بہار

مجھ پریشاں کی پریشانی زمانے کو نصیب
دل پریشانِ ضیا، آنکھیں پریشانِ بہار

بزم فطرت میں ہے مزرع حسب منشائے امید
ذرّے ذرّے میں جھلکتا ہے تجلّائے امید

مطرب فطرت نے چھیڑے [illegible]
[illegible]

حسن رنگیں [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
ذرّے ذرّے کی [illegible]

[illegible]
چاندنی سے کھیلتا [illegible]
نرگس حیراں ہے [illegible]

سن رہا ہوں اک ترنم پوش پیغام نشاط
اللہ اللہ یہ نشاط انجام انجام نشاط

ایک آرزو

یہی اک آرزو رہتی ہے بیکل دل کی دنیا میں
کہ گُم ہو جاؤں احسانِ جلوۂ جانِ تمنّا میں

جہاں خوفِ فنا کی تیرگی مفقود ہوتی ہے
جہاں پروازِ فکر و شوق لامحدود ہوتی ہے

جہاں ہوتے نہیں دنیائے غم پرور کے نظّارے
جہاں ذرّوں کے دل میں پرورش پاتی ہیں سیّارے

جہاں چاروں طرف تنویر ہی تنویر ہوتی ہے
عبادت کی جہاں بہجت فزا تفسیر ہوتی ہے

جہاں مصروف رہتی ہے نظر آئینہ بینی میں
جہاں سورج چمکتے ہیں تبسم آفرینی میں
جہاں پائے خرد رہتا نہیں زندانِ طاعت میں
انا الحق ہی انا الحق ہے جہاں بزمِ سماعت میں
جہاں چھوتی نہیں بادِ فنا دامانِ ہستی کو
جہاں حسن پرستش جانتے ہیں خود پرستی کو
جہاں پُر کیف بحرِ بے نیازی کا کنارا ہے
جہاں تخلیقِ عالم اک تخیل کا اشارا ہے
جہاں جھکتا ہے سر زعمِ غرورِ آسمانی کا
اُبلتا ہے جہاں شفاف چشمہ زندگانی کا
وہیں دربار ہے اُس کنت کنزاً کہنے والے کا
مری آنکھوں سے اوجھل میرے دل میں رہنے والے کا

گمشدہ رنگ
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کیا [illegible]

[illegible] کا گھر ڈھونڈ رہا ہوں

گو شیخ و برہمن بنے ہیں حیران و پریشاں
میں تجھ کو خدا کے گھر ڈھونڈ رہا ہوں
اے پردہ نشیں تجھے حجابات کی تہہ میں
کھوئی ہوئی پرواز نظر ڈھونڈ رہا ہوں
لے لے کے دعاؤں کی لرزتی ہوئی شمعیں

دنیا کے حوادث کی سپر ڈھونڈ رہا ہوں

شباب سے اپنے جو اُمیدِ وفا سے

تقدیر کی آفات میں سپر ڈھونڈ رہا ہوں

قدرت کی ہر وسعت میں تحقیق کی خواہش سے

لطفِ تپشِ سوزِ جگر ڈھونڈ رہا ہوں

لے آتے ہیں تابندہ ستاروں کی نگاہیں

شامِ غمِ ہستی کی سحر ڈھونڈ رہا ہوں

ہے جس کے لیے زینتِ آفاقِ دو عالم

میں قصۂ تحقیقِ بشر ڈھونڈ رہا ہوں

کل تک تھی نگاہوں کو تجلی سے تسلی

اب مطلعِ انوارِ نظر ڈھونڈ رہا ہوں

کچھ ایسے درخشاں ہیں دامانِ تمنا

شعلوں میں بہارِ رگِ تر ڈھونڈ رہا ہوں

احسانؔ مری کوششِ رنگیں کوئی دیکھے
قطرات کے سینوں میں گہر ڈھونڈ رہا ہوں

بے ثباتیٔ عالم

اس شعبدہ زارِ عالم میں کیا کھیل دکھایا جاتا ہے
ہنس ہنس کے رُلانے والوں کو رو رو کے ہنسایا جاتا ہے
یہ تاجِ طلائی رنگ محل خوراکِ زمیں ہیں یاد رہے
احساس کی جھوٹی جنت کا اک خواب دکھایا جاتا ہے
ہُشیار چمن کے سودائی کلیوں کی سرشتِ رنگیں سے!
ہر گل پہ فریبِ شبنم کا اک دام بچھایا جاتا ہے
ہمدرد سراپا دھوکا ہیں مت بھول ریا کے بندوں پر
ہر شے کو یہاں رفعت دیکر نظروں سے گرایا جاتا ہے

گلشن میں بہار و فصلِ خزاں دریا میں حباب و موجِ رواں
کمبخت تجھے انجامِ جہاں ہر شے میں دکھایا جاتا ہے

حسرت کی گھٹا چھا جاتی ہے امید کی روشن دنیا پر
جس وقت طلسمِ ہستی کے پردے کو اٹھایا جاتا ہے

کثرت نے حقیقی جلووں پر سو رنگ کے پردے ڈالے ہیں
مقصود چھپایا جاتا ہے معکوس دکھایا جاتا ہے

رحمت کی گھٹائیں چھاتی ہیں بندے کی نیاز آگینی پر
جس وقت سرِ پُر نخوت کو سجدے میں جھکایا جاتا ہے

گھڑیال، گجر، ناقوس، اذاں، بے وجہ نہیں مصروفِ فغاں
ہر وقت تجھے بیداری کا پیغام سنایا جاتا ہے

احسان کلیجہ پھٹتا ہے دنیا میں جفائے انساں پر
کاندھے پہ جسے لے جاتے ہیں مٹی میں دبایا جاتا ہے

سیلابِ بہار

خوشی کے شادیانے بج رہے ہیں بزمِ امکاں میں
بہار آئی گلستاں میں [illegible] ساتھ
سجے پتے نئی شاخوں کی ہر ڈالی کی سبزہ زاروں پہ
شعاعِ مہر نے جب [illegible] چھیڑی گلستاں میں
کھلا جب چرخ پر قوسِ قزح کا پرچمِ رنگیں تو
بچھا سبزے کا فرشِ مخملی کوہ و بیاباں میں
نہیں ہیں سبزۂ صحنِ چمن پر اوس کی بوندیں
ہوئی ہے موتیوں کی رات بھر بارش گلستاں میں
بسی ہے خاک کے ذرّوں میں دنیا شادمانی کی
جھلکتا ہے تبسّم پھول کے رخسارِ تاباں میں

ترے قربان اے اعجازِ فطرت کی صناعی
تڑپتے ہیں ہزاروں عکس رنگیں شبستاں میں
تخیل عرش پیما ہو رہا ہے سوئے عالمِ ہستی
نگاہِ شوق رقصاں جلوہ ہائے رنگ تاباں میں
نمایاں ہیں ترے ذرے سے جذب کا انداز جانانہ
پڑی ہیں حسن کی بکھری ہوئی کو دو جہاں میں
مرا احساس قرباں خامۂ نقاشِ گلشن پر
شبِ عشرت کا نقشا کھنچ گیا ہے شامِ ہجراں میں
جھکا جاتا ہے مدہوشی میں سر خاکِ گلستاں پر
دبا جاتا ہوں فطرت کی نوازش ہائے پنہاں میں

اسلوبِ عالم

ہم نشیں! پوچھ نہ احسان سے الفت کیا ہے
اشک آنکھوں میں بھر آتے ہیں اس نام کے ساتھ

تجھ کو تحقیق محبت کی پڑی ہے لیکن
پھر رہا ہے مرا سر گردش ایام کے ساتھ

گم ہے نغموں کے تلاطم میں یتیموں کی فغاں
قہقہے مار رہا ہے کوئی کہرام کے ساتھ

پرورش پاتی ہے دامانِ رفاقت میں ریا
اہلِ عرفاں کی بسر ہوتی ہے اصنام کے ساتھ

کامرانوں کی جبینوں سے برستی ہے تھکن

کامیابی کی تمنّا دلِ ناکام کے ساتھ
یاس آئینۂ امّید میں نقاشِ الم
عزمِ راسخ کا تعلق ہوسِ خام کے ساتھ

شب ہی کچھ نازکشِ پرتوِ خورشید نہیں
جلوۂ صبحِ درخشاں کی لگن شام کے ساتھ

ہے تونگر کی شبستاں میں چراغِ عصیاں
مژدۂ خلدِ بریں کثرتِ آلام کے ساتھ

کون معشوق ہے کیا عشق ہے سودا کیا ہے
میں تو اس فکر میں گُم ہوں کہ یہ دنیا کیا ہے

لکڑہارا

شعلہ افشاں ہے زمانہ جولائی گرمی کا شباب
خوف سے دنیا [illegible] اندیشہ ہوئے سے آفتاب
[illegible]
[illegible]
گرم لو [illegible]
دھوپ کی تیزی [illegible]
[illegible]
آسماں سہما ہوا سا تھا [illegible]
گرد سے دھندلی فضا میں دم بخود گیہوں کے کھیت
سبزۂ مایوس پر تپتی ہوئی سڑکوں کی ریت

پتیاں سمٹی ہوئیں شاخوں کا دم پھولا ہوا
طائروں کو نغمۂ تقدیس تک بھولا ہوا

زردیِ دوزخ سینۂ صحرا پہ منڈلائی ہوئی
چہرۂ پرسیاں آتشِ [illegible] ہوئی

رہ رہ کے جو جھونکوں سے آتی تھیں ہوائیں تند و تیز
جھونپڑی پر [illegible] تیز

نطقِ عالم پر سکوتِ سہم چھایا ہوا
شادیِ خاطر کا گھر ہوتا [illegible] ہوا

اس قیامت خیز منظر میں بصد خوف و ہراس
اک لکڑہارا ہے فرطِ تشنہ کامی سے اُداس
لکڑیوں کا بوجھ سر پہ، لب پہ آہِ جانگداز

درد سے لبریز خاموشی حدیثِ غم طراز

پابرہنہ اور گھنی داڑھی پہ خاکِ رہگذار

پنڈلیوں پر راستے کی گرد پلکوں پر غبار

فرطِ محنت سے پسینا تا قدم بہتا ہوا

داستانِ ہمتِ تدب و جگر کہتا ہوا

بازوؤں پر مچھلیاں تن پر شکستہ پیرہن

لڑکھڑاتے پاؤں پیشانی پہ مردانہ شکن

دیدۂ خوددار میں سُرخی لبوں میں ارتعاش

لکڑیوں سے کہنیوں پر ہلکی ہلکی سی خراش

چلتے چلتے جب کوئی تلوے میں چبھ جاتا ہے خار

یہ نکلتا ہے زباں سے رحم اے پروردگار

سوچتا ہے کیسے اٹھے گی الٰہ العالمین

قرض خواہوں کے تقاضے سے نگاہِ شرگیں

(۳)

یہ بلا کی دھوپ یہ گرمی یہ تپتی شاہراہ
اور اس میں اک غریب انسانِ اُف حالِ تباہ

جسکی شریانوں میں ہو خون صلابت بیقرار
اُسکو بے رحمی سے پیسے آسیائے روزگار

جسکی آنکھوں میں صداقت کے تبسم کی پھبن
ہائے اس کا دل بنے معمورۂ رنج و محن

بازوؤں میں جسکے مضطر حسرتِ مشقِ تفنگ
اُس کے بشرے سے نمایاں دردِ ناچاری کا رنگ

جسکی نظروں سے برستا ہو نجابت کا جلال
منعموں کے سامنے پھیلائے وہ دستِ سوال

عقل حیراں ہے عجب نظمِ جہاں آباد ہے
ایک انساں صید ہے اور دوسرا صیاد ہے

شبِ سیاہ

بلند و پست پر اک ظلمتِ اندوہ طاری ہے
دیارِ نور میں تاریکیوں کی شہریاری ہے
ہوئی مفقود خورشیدِ فلک کی گرم بازاری
گریبانِ جہاں پر بڑھ چلا دستِ سیہ کاری
یہ مثلِ اژدہا کھیتوں میں لہراتے ہوئے رستے
بیابانوں کی ہیبت پیچ و خم کھاتے ہوئے رستے
اندھیرا بڑھ رہا ہے بزمِ فطرت سوتی جاتی ہے

سیاہی دشتِ وحشتناک میں پرچم اڑاتی ہے
صدائے بوم ہے گونجی ہوئی گنجان جنگل میں
کہیں روحِ حزیں گم ہو نہ جائے غم کے بادل میں
جھکا دیں خوف سے پیشانیاں پھولوں نے خاروں پر
ہے دہشت ناک سناٹوں کا پہرا جوئباروں پر
شبستانوں میں محوِ خواب ہیں عشرت کے دیوانے
شب آئی ہے مآلِ زندگی عالم کو سمجھانے

شمعی سے پہلی غزل سُنکر

یہ چشمِ مستی نواز تیری یہ نُطقِ نغمہ فروش تیرا
یہ زلفِ شبگوں کے جھمگٹوں میں جمالِ محشر بدوش تیرا
ہے تیری ہر تان میں مُرقّص سُرورِ صہبائے نوجوانی
ہواؤں میں تھرتھرا رہی ہے عجب محبّت بھری کہانی
ترے ترانوں کے نرم بادل خرد کی دُنیا پہ چھا رہے ہیں
فضا کو دیوانی کر رہے ہیں جہاں میں نشّہ لُٹا رہے ہیں
یہ تیری لغزش نواز تانیں کچھ ایسی دل میں اُتر رہی ہیں
مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ نکہتیں رقص کر رہی ہیں
زمانہ اے کاش مجھ کو اتنی سہولتیں مستعار دیتا
تیری پرستاریوں میں اپنا شبابِ رنگیں گذار دیتا

"مرگِ اکرم پر"

اے جہانِ آباد، اے ماتم سرائے کائنات
اے سرابِ دلنشیں اے زہرِ زندانِ حیات
اے عروجِ پست منزل، اے فروغِ بے ثبات
اے گنہ زارِ حسیں، اے رہزنِ راہِ نجات

اے سرورِ غم فزا! اے انبساطِ جانستاں!
اے الم پرورِ چمن نیرنگیٔ دورِ جہاں!

تیرے ہر ذرے کا سینہ مقتلِ رُوحِ اُمید
تیری شامِ نحس زیرِ پردۂ روزِ سعید
تیری محویت میں چھن جاتی ہے جنت کی کلید
تیری ماتم گاہ میں ہے شورشِ ہل من مزید

ؔ محمد اکرم خاں میرا عزیز ترین دوست جو ایف سی کالج میں بی اے کا طالب علم تھا۔ عمر کی انیسویں بہار میں راہیِ عدم ہوا۔ سوگوار
احسان

تیری آبادی میں طوفانِ تباہی موجزن
تیری تنویر دلوں میں عصیاں کی سیاہی موجزن

تیری تسکینوں میں ہے پنہاں جہانِ اضطرار
تیرے ربط کے ترانے دشمنِ صبر و قرار
تیرے زرّیں ساتگیں لبریزِ خونِ میگسار
یہ تری صورت یہ سیرت دُور ہوائے فتنہ کار

تیرے گلزاروں میں چلتی ہے الم افزا نسیم
تیرے پھولوں سے نکلتی ہے خلش پرور شمیم

ہیں ترے رنگیں مناظر رُوح فرسائے حیات
جذب ہو کر تجھ میں رہ جاتا ہے شوقِ التفات
تیرے آئینے میں حیران ہے دلوں کی واردات
تُف تری زینت پہ اے فردوس زارِ بے ثبات!

جو تری محفل سے اُٹھا ہائے پچھتاتا اُٹھا
ہاتھ ملتا خون روتا اشک برساتا اُٹھا

تیرا ظاہر ہے نظر افروز اور باطن سیاہ
چونک اُٹھتا ہے ترے نغموں سے خوابیدہ گناہ
گرتی ہے کشتِ تمنا پر تری برقِ نگاہ
تیرا جادو بے صدا تیرا فسوں بے پناہ

الٰہی کا رنگ تیری بزمِ رعنائی میں ہے
بے وفائی تیرے آئینِ شناسائی میں ہے

موت جب کرتی ہے اک اُٹھتے جواں کو پائمال
یعنی ہوتا ہے کسی کے لاڈلے کا انتقال
قبر پر رونے کو ماں جاتی ہے برقع سر پہ ڈال
سینہ کوبی کرکے ہوتی ہے نئی بیوہ نڈھال

پارہ پارہ غم سے بھائی کا جگر پاتا ہوں میں
غمکدے کو قبر سے تاریک تر پاتا ہوں میں

تو مگر رہتا ہے اے زندانِ رُوحانی وہی
شان رکھتی ہے تری فرعون سامانی وہی
دیکھتا ہوں شب کو تاروں میں درخشانی وہی
چودھویں کے چاند میں پاتا ہوں تابانی وہی

تیرے قانونِ وفا سوزی میں فرق آتا نہیں
کیوں زمیں ہلتی نہیں کیوں چرخ تھرّاتا نہیں

چار دن گذرے کہ اے ہنگامہ زارِ ہاؤ ہو!
اک درخشندہ قمر تھا جانِ بزمِ آرزو
رُوح کو تھی نغمۂ داؤد جس کی گفتگو
ہر نفس تھا غیرتِ موجِ نسیمِ مشکبو

آج یہ ہے، مرگِ اکرم کی خبر سنتا ہوں میں
المدد اے جذبۂ یعقوب! سر دُھنتا ہوں میں

یہ سمجھتا ہوں کہ اب آنسو بہانا ہے عبث
دن کو خاموشی شبوں کو تملانا ہے عبث
نالہ و فریاد عالم کو سُنانا ہے عبث
آپ رونا اور لوگوں کو رُلانا ہے عبث

اس لئے روتا ہوں انساں کسقدر مجبور ہے
نالہ وامانع ہے اور بابِ اجابت دُور ہے

مشورات

چین پائے یہ دلِ دردآشنا جانے بھی دے!
اک حسیں دھوکا ہے اقرارِ وفا جانے بھی دے!

لوحِ دل پر مرتسم کرلے نقوشِ سوز و ساز
بوئے گل کے دم سے ہے لطفِ صبا جانے بھی دے!

گرمیوں کی دھوپ سے مانوس رکھ ذوقِ نظر
موسمِ گل میں شبِ مہ کی ضیا جانے بھی دے!

راحتِ ساحل کنارِ موج میں ہو گی نصیب
ڈوبنے والے! خیالِ ناخدا جانے بھی دے!

دیکھ خودداری کے آئینے میں آجائے نہ بال!
گر خفا جاتی ہے جانِ مبتلا جانے بھی دے!

ہم نشینوں پر نہ رکھ اپنی تمنّا کا مدار،
اِن ستم رانوں سے اُمیدِ وفا؟ جانے بھی دے!

موت کے ظُلمتکدے سے مانگ تنویرِ حیات
جستجوئے چشمۂ آبِ بقا جانے بھی دے!

گردنِ نخوت کو محرابِ حقیقت میں جُھکا!
امتیازِ مجلسِ شاہ و گدا جانے بھی دے!

کر نہ عُسرت میں درِ دُنیا پہ تحقیرِ سوال
چھوڑ اِن بے آسروں کا آسرا جانے بھی دے!

آسماں دُشمن، زمیں دَرپے، جہاں خنجر بکف،
رہنما بھی ہیں یہاں رہزن نما، جانے بھی دے!

خالِ رُوئے حُور پر ہے تیرا پرکارِ نظر
رات دن یہ عیشِ جنّت کی دُعا جانے بھی دے!

جس روش پر ہے بہت اچھا ہے عالم کا نظام
ہوش کے دشمن! خیالِ ماسوا جانے بھی دے!

ہاں وہی احسان بد قسمت مگر بیدار دل
پُوچھ کر کیا لے گا اُس کا ماجرا جانے بھی دے!

خیالِ وطن

یہ ہوائے مُشک پرور یہ بہار آئی ہوئی
میرا یہ عالم طبیعت غم سے گھبرائی ہوئی

اشکباری کی طرف مائل ہوا جاتا ہے دل
درد سا اُٹھتا ہے سینے میں بھرا آتا ہے دل

غم کی تاریکی میں ہے تنویرِ مہتابِ وطن
دیکھتا ہوں عینِ بیداری میں اک خوابِ وطن

رُوح پر رقّت سی طاری ہے الٰہی کیا کروں
گھُلتی جاتی ہے فضاؤں میں سیاہی کیا کروں

بے سبب پلکوں پہ سیمیں اشک تھرّاتے ہیں کیوں
ملگجے سے رنگ پھولوں کے نظر آتے ہیں کیوں

مضمحل رہتے وطن کے آرزو کرتے نہ ہوں
آکے آبادی میں میری جستجو کرتے نہ ہوں

آہ ہمجولی مری فرقت کا غم سہتے نہ ہوں
نہر کے رنگیں کنارے بیوفا کہتے نہ ہوں

رات کے دل میں میرے نغموں کے نقشِ ارتعاش
کرمکِ شب بن کے رہتے ہوں نہ مصروفِ تلاش

صحن کے پیپل کو آندھی سے زوال آیا نہ ہو
نیک دل ہمسائیوں کو میرا خیال آیا نہ ہو

روز ڈھلتی دوپہر میں سبزۂ شاداب پر
ذکر کرتے ہوں نہ چرواہے کہیں تالاب پر

بھیگی راتوں میں فشارِ ضبط سے بیتابیاں
بن نہ جاتی ہوں کسی جانِ وفا کی ہچکیاں

حسن کی پُرکیف نیندوں میں خلل آتا نہ ہو
بیکلی میں کوئی پردے سے نکل آتا نہ ہو

جستجو کرتا نہ ہو پامال رستوں کا غبار
منتظر رہتا نہ ہو مخدوم صاحب کا مزار

آندھیاں مجھ غم زدہ کو ڈھونڈنے آتی نہ ہوں
لہلہاتی کھیتیوں پر زردیاں چھائی نہ ہوں

؎ قصبہ کاندھلے سے کچھ فاصلہ پر کسی بزرگ کا مزار ہے جسکو مخدوم صاحب کا مزار بتایا جاتا ہے

انسان

منفعل ہوتا نہ ہو پیمانِ الفت کا غرور
روند ڈالا ہو نہ رسوائی نے خلوت کا غرور

ہمنشیں کوئی مری فرقت سے گھبراتا نہ ہو
ذکر مجھ دامن دریدہ کا کہیں آتا نہ ہو

صبحدم جھونکے ہوا کے سسکیاں بھرتے نہ ہوں
رات کے تاریک سناٹے گِلا کرتے نہ ہوں

خستہ حالی سے نہ ہو گھر کی فضا اندوہگیں
آنسوؤں سے تر نہ رہتی ہو کسی کی آستیں

تھے جو آمادہ مجھے دُنیا سے کھونے کے لئے
رات کو تنہا نکلتے ہوں نہ رونے کے لئے

کاش اس قابل کرے مجھکو وہ ربِّ ذوالجلال
کھینچ سکے ایسی مرے خامے سے تصویرِ خیال

دیکھنے سے جس کے ہر اہلِ بصیرت دنگ ہو
آنسوؤں کی آب ہو خونِ جگر کا رنگ ہو

جس سے ٹپکے شوکتِ عنوانِ تفسیرِ حیات
جس سے وا ہو عقدۂ ہستی طلسمِ کائنات

جس میں ہو اک عشق کی حسرت اثر رُوداد بھی
جس سے برسے ضبط کی ماری ہوئی فریاد بھی

داستانِ عشرتِ ماضی، بیانِ دردِ حال
سرگذشتِ شامِ غم، افسانۂ صبحِ وصال

شورشیں ہوں صُبح کی خاموشیاں ہوں شام کی
ہلکی ہلکی آنچ آئے آتشِ بے نام کی

بزمِ عالم میں جو نقشِ کالحجر ہو کر رہے
مرکزِ تحسین و مقبولِ نظر ہو کر رہے

کسی کا خط پڑھتے ہوئے

یہ چاندنی یہ ہوا اور یہ بہار بھی ہے
جگر میں سوز بھی دل وقفِ اضطراب بھی ہے
نظر کے سامنے تارے سے رقص کرتے ہیں
فضا میں نغمۂ شیریں کا آبشار بھی ہے
تنی ہوئی ہے گلستاں میں خواب کی چادر
نمو کا جوش بھی ہے مستیٔ بہار بھی ہے
وفورِ کیف سے ہر ایک برگِ رنگیں
یہی نہیں ہے کہ بیخود ہے ہوشیار بھی ہے
فضا میں تیر رہی ہیں شمیم کی لہریں
نسیم فرشِ تجلی پہ رقص کار بھی ہے

بنا ہوا ہے ستارہ چمن کا ہر ذرّہ
نہاں ہے جلوۂ فطرت تو آشکار بھی ہے

مچل کے رہ گئے کلیوں میں نیند کے جھونکے
نسیم بزم گلستاں میں مشکبار بھی ہے

اگرچہ دیدۂ بینا میں ہے سرورِ نشاط
مگر نظر کو کسی شے کا انتظار بھی ہے

صفائے عقل سے آئینۂ تخیّل میں
ورودِ شعر بھی ہے جلوۂ بہار بھی ہے

کسی حبیب کا نامہ ہے دستِ لرزاں میں
کسی پہ اپنی اُمیدوں کا انحصار بھی ہے

کسے خبر ہے کہ احساسِ کربِ دوری سے
حسین چاندنی راتوں میں اشکبار بھی ہے

نہیں ہے صرف محبت الم فزائے حیات
ہجومِ آفت و آلامِ روزگار بھی ہے

بیگانۂ انجام

ایک دوشیزہ کو دیکھکر

یہ دوشیزہ جو ہے محفوظ ہاتھوں سے زمانے کے
نہ کیونکر مسکرائے ہیں یہی دن مسکرانے کے
جبیں پر تمتماہٹ سُرخ ڈورے چشمِ میگوں میں
نگاہیں سربسر ڈوبی ہوئی نازوں کے افسوں میں
لبِ لعلیں میں ہیکل آرزوئیں گلفشانی کی
حریمِ ناز میں روشن ہیں قندیلیں جوانی کی

بھرے شانوں پہ زلفِ مشکبو کا دَور دورہ ہے
سرِ بزمِ طرب جام و سبو کا دَور دورہ ہے

فضا شاداب ہے روئے حسیں کی بے نقابی سے
ادائیں اُٹھ رہی ہیں سو کے خوابِ ماہتابی سے

رُخِ رنگیں پہ ہے چھائی ہوئی سُرخی بہاروں کی
تبسّم ہے کہ چکّر میں ہے تابانی ستاروں کی

تکلّم بربطِ داؤد کے نغمے لُٹاتا ہے
سکوتِ دلنشیں میں کیف کے دریا بہاتا ہے

اکیلی شرم ہے سَو شوخیوں کی پاسبانی میں
خوشی کے پھول ہیں زرتارِ دامانِ جوانی میں

گھنی زلفوں نے کھولا بابِ میخانہ فضاؤں پر
مچلتی پھر رہی ہے بوئے مستانہ ہواؤں پر

یہ کیا جانے ابھی دلدوز باتیں کیسی ہوتی ہیں
یہ کیا جانے ابھی فرقت کی راتیں کیسی ہوتی ہیں

ابھی یہ التماسِ دل کی مجبوری کو کیا جانے؟
رموزِ عشق کیا سمجھے غمِ دوری کو کیا جانے؟

یہ کیا جانے ابھی سوزِ نہانی کس کو کہتے ہیں
یہ کیا جانے کہ اندوہِ جوانی کس کو کہتے ہیں

ابھی واقف نہیں یہ عشق کی پُرہول راہوں سے
ابھی ہے پاک اس کا دامنِ عصمت گناہوں سے

یہ کیا جانے خوشی کی محفلوں میں غم بھی ہوتا ہے
رسیلی راگنی کی اوٹ میں ماتم بھی ہوتا ہے

یہ کیا جانے خزاں آتی ہے چھُپ چھُپ کر بہاروں میں
شگوفے اشک برساتے ہیں شب بھر لالہ زاروں میں

یہ کیا جانے کہ فریادیں لرزتی ہیں ترنم میں
یہ کیا جانے کہ غم پلتا ہے آغوشِ تبسم میں

نشیلے زمزموں کے ساتھ ہی آتی ہیں آہیں بھی
یہ نقشا ہے اگر دن کو ہنسیں شب کو کراہیں بھی

جو انساں ہو گیا آگاہ انجامِ مسرت سے
قسم ہے تھرتھرا جاتا ہے وہ نامِ مسرت سے

تصویرِ خیالی[٥]

سرِ چرخِ بریں اک رت جگا تھا | تھی ہر سو وجد کن بادِ شمالی
چراغوں کی جگہ روشن تھے تارے | بچھی تھی چاندنی سیمیں اجالی
ترنم ریز نغموں سے بربط | جلو میں دلنشیں شہنائی والی
فضائیں تھیں لبالب مستیوں سے | برستا تھا سرورِ لازوالی
نشاط انگیز نغمے چھا رہے تھے | تھا ہر اک شے میں حُسن زوالی
نوا شیلے کی گیٹے کا تجسس | عمر خیام کی بیخود خیالی
بیاں میر و ٹینیسن کا انداز | خیالِ مومن و تعلیم حالی
رموزِ حافظِ شیراز و حسان | اسد اللہ خاں کا فکرِ عالی
نکاتِ درسِ سعدی طرزِ بیدل | امیر و داغ کی نازک خیالی
مہیا سب تھا سامانِ تعیش | تخیل سے پرے تھی پائمالی

٥ یہ نظم انجمن تعمیر ادب کے ایک سالانہ جلسے میں پڑھی گئی تھی جس میں اقبال اور اس کی شاعری پر تبصرہ کیا گیا تھا
(دامن)

مجسّم تھے شباب انگیز جلوے　　　مکمّل تھی بہاروں کی بحالی
غرض اس بزمِ رقص و شاعری کا　　　پڑا پرتو جو زیرِ عرش عالی
ندا آئی یہیں مسدود ہو جا!　　　وہ پرتو بن گیا شکلِ ہلالی
نمایاں جسکے خم سے شوقِ سجدہ　　　خموشی مظہرِ آشفتہ حالی
پھر اُس میں روح پھونکی با صد انداز　　　ودیعت کر دیا حسنِ خیالی
جسے اقبالؔ سب کہتے ہیں احسانؔ
یہ ہے اُس کی سرشتِ بے مثالی

کیفستانِ سحر

صبح کا بیخود دماں ہے اے نگاہِ حُسن بیں!
دیکھ رشکِ جنّت الفردوس ہے صحنِ زمیں!

جانبِ مشرق بگولے نور کے اُٹھنے لگے
لیکے انگڑائی شرارے طور کے اُٹھنے لگے

مسکراہٹ سی ہر اک شے میں نظر آنے لگی
تیرگی میں روشنی سی پھیلتی جانے لگی

اُٹھ رہا ہے خود بخود انوارِ مشرق سے نقاب
چاند کے جلووں کی پھیکی پڑ چلی ہے آب و تاب

آسماں پر اُڑ رہا ہے دور نورانی غبار
زُلف بکھرائے ہوئے پھرتی ہے گلشن میں بہار

پتّے پھولوں کے پسینے کو ہوا دینے لگے ہیں
کون یاد آیا ستارے ہچکیاں لینے لگے

گلشن شادابِ فطرت ہے نکھرنے کیلئے
مشرقی انوار مضطر ہیں بکھرنے کے لئے ہیں

آسماں پر سیمگوں جلوے مسلّط ہو چکے ہیں
تان کر اک نور کی چادر ستارے سو چلے

ہر گلِ نوخیز خوشبو کا امانت دار ہے
ہر کلی اب پھول بننے کے لئے تیار ہے

وہ اندھیر رات جو دنیا میں تھا چھایا ہوا
باغ کی گنجان شاخوں میں ہے تھرّایا ہوا

سونے والے لیکے اٹھے دلنشیں انگڑائیاں
نورِ خنداں ہے زمین و آسماں کے درمیاں

کھیلتی پھرتی ہے پھولوں سے گلستاں میں صبا
پتا پتا ہے شراب حسن میں ڈوبا ہوا

منکشف کر اے بہار نور راز زندگی
چھیڑ اے مضراب یاد دوست ساز زندگی

بن گیا باغ جہاں کا ذرہ ذرہ جلوہ گاہ
ہو گئیں آباد رنگیں جنتیں زیر نگاہ

حسن فطرت کے نظارے دل کو تڑپانے لگے
کوہ کے دامن میں چشمے بھیرویں گانے لگے

ہلکی ہلکی سانس سی لینے لگیں پھلواڑیاں
ہو گئیں گلشن میں ہر سو کیف کی موجیں رواں

ہر شعاع مہر نے آکر کیا ہے سر کو خم
بن رہی ہے پھول کی ہر پنکھڑی باب حرم

بوئے گل سے خاک کے ذرے بھی ہیں مہکے ہوئے
نغمہ سنجانِ چمن مستی میں ہیں بہکے ہوئے

ہے چراغِ لالہ سے روشن گلوں کی انجمن
فرشِ سبزہ پر نسیمِ صبح نے ڈالے شکن

نالۂ ناقوس سے تھرا گئی ساکن فضا
مسجدوں میں گونج اٹھی ہے اذانوں کی صدا

منصبِ دنیا نگاہوں سے مری گرنے لگا
حاصلِ ہستی کا نقشہ سامنے پھرنے لگا

کیفیت کے بحرِ بے پایاں میں دل بہنے لگا
پتا پتا اک حدیثِ آرزو کہنے لگا

ہوتے ہوتے بیخودی سی مجھ پہ طاری ہوگئی
رفتہ رفتہ مری بیتابی کی دنیا سو گئی

شامِ کلیسا

ایک دن احسان میں سیرِ چمن سے لَوٹ کر
آ رہا تھا ہاتھ سے تھامے ہوئے زخمی جگر

شام آنے کو تھی اور خورشید چھپ جانے کو تھا
بزمِ عالم پر دھندلکا جال پھیلانے کو تھا

ہو رہی تھی رفتہ رفتہ دن کی پھیکی روشنی
چھا رہی تھی دمبدم روئے زمیں پر تیرگی

وہ ہوائے نرم رَو وہ دم بخود سی جھاڑیاں
بھاپ کا سیلاب سا سنسان کھیتوں میں رواں

ہوتا جاتا تھا مکدّر جلوۂ روئے حسین
ہلکی ہلکی تیرگی کے تھے فضاؤں میں شکن

سر بہ زانو تھی چمن کی محفلِ بے اعتبار
ہونے والا تھا بیاباں خامشی کا نغمہ زار

گلستاں کے حاشیے پر ٹہنیوں کے درمیاں
مضطرب مکڑی کے جالوں پر تھی سوکھی پتیاں

احمریں تھا غازۂ گلرنگ سے روئے جہاں
مندروں پر تھا اُترتی دھوپ کا رنگیں سماں

(۲)

کشتۂ احساس یعنی میں دلِ حسرت نصیب
آتے آتے آگیا جس وقت بستی کے قریب

یک بیک نزدیک گرجا میں گجر بجنے لگا
خامشی چونکی، نظر تڑپی، ہلا قلبِ فضا

یہ اثر تھا شام کی ہیبت بھری آواز میں

ضبط نے آنسو بہائے حسرتِ پرواز میں
مختصر یہ ہے کہ ایسا ہو گیا دل پر اثر!
کھینچ کے میں احساں کلیسا تک گیا با چشم تر
کچھ نہ تھا پند و نصائح کی طرف میرا خیال
توبہ توبہ یہ صلاحیت میرے دل میں؟ محال!

(۳)

عالمِ محسوسات میں تھی بزمِ عالم بے ثبات
اُٹھ چکا تھا آستانِ موت سے فرقِ حیات
بادۂ زریں میں تھے ڈوبے ہوئے قلب و جگر
اُڑ رہی تھی بھینی بھینی نکہتِ جادو اثر
کیفِ رنگیں اسطرح کچھ مل رہا تھا رُوح میں
سادہ پانی میں گلابی رنگ کی جیسے رگیں

کیفیت تھی یا نکلتا تھا نگاہوں سے دھواں
تھرتھری سی تھی زمین و آسماں کے درمیاں

جستجو کے سامنے تھا کعبۂ ابروئے دوست
آنکھ تھی محوِ تحیّر، اور دل تھا سوئے دوست

رونما تھا سینۂ سوزاں میں گلزارِ خلیل
ڈوبتے سورج کا جیسے جھیل میں عکسِ جمیل

تھی جبینِ شوق کے ہر خط میں تفسیرِ نیاز
سوزِ پنہاں کی تپش سے ہو رہا تھا دل گداز

بجلیاں تھیں خون میں رقصاں، جگر میں درد تھا
دل کا آئینہ ابھی نا آشنائے گرد تھا

واصلِ مضراب نظّارہ تھا سازِ جستجو
تھی مری ہر سانس میں پیراہنِ یوسف کی بو

بیخودی کے نام سے اک کیفِ نامعلوم تھا
حافظہ سیماب کا، جذبہ معصوم تھا

بن رہے تھے اشک ڈھل کر غم کے سانچے پہ لہو
دھل رہی تھی آبِ حیواں سے جبینِ جستجو

روح نے نغمہ الاپا، قلب نے چھیڑا ستار
تھیں فضاؤں میں الوہیت کی موجیں بیقرار

تھی نگاہِ دیدِ خوں نابہ افشاں کامیاب
روئے ہستی رفتہ رفتہ ہو رہا تھا بے نقاب

جسم کا ہر رونگٹا خلّاق کا مداح تھا
وہ کلیسا تھا کہ صیقل خانۂ ارواح تھا

خلوتِ دل میں کوئی تشریف فرما تھا ضرور
ورنہ پائے عاجزی پر خم سرِ ناز و غرور

آنکھ کے پلّوں میں جنسِ خونِ دل تلنے لگی
آبِ رنگیں سے کثافت رُوح کی دُھلنے لگی

محشرِ نغمات سے دُھندلی فضا تھرا گئی
ظلمتِ تخئیل میں تابندگی لہرا گئی

(۴)

آئی اتنے میں مرے پہلو سے ہلکی سی صدا
اپنے کاشانے میں اے بھولے مسافر کھو گیا

ہوشیار اے معبدِ ذوقِ تصوّر کے اسیر!
آئینہ تجھ کو دکھاتا ہے ترا حُسنِ ضمیر

گرمی کی دوپہر

یہ دوپہر کا منظر یہ گرمیاں بلا کی
یہ آتشیں ہوائیں یہ دھوپ انتہا کی

بادل کی شکل کو بھی عالم ترس رہا ہے
مخلوق پر جلالِ قدرت برس رہا ہے

اللہ کیا بلا ہے یہ جون کا مہینہ
بہتا ہے عارضوں پر کھولا ہوا پسینہ

فرشِ زمیں پہ سورج آتش بچھا رہا ہے
سارا رواں بدن کا آنسو بہا رہا ہے

سوئے ہوئے درندے گھبرا کے اٹھ رہے ہیں
میدان سے بگولے چکرا کے اٹھ رہے ہیں

اُڑ اُڑ کے خاک جنگل مستور ہو رہا ہے
برگد کی چھاؤں میں اک چرواہا سو رہا ہے

میلی سی ایک چادر اوڑھے ہوئے پڑا ہے
بازو کا سر کے نیچے تکیہ لگا ہوا ہے

طائر پھڑک رہے ہیں اونچے نشیمنوں میں
بے رونقی کا عالم چھایا ہے گلشنوں میں

پھولوں سے آنچ بن کر آہیں نکل رہی ہیں
پتے سُلگ رہے ہیں کلیاں پگھل رہی ہیں

ہے بیکسی کا عالم سرسبز وادیوں میں
چھائی ہے مُردنی سی گلزار زادیوں میں

خود رَو حسین پودے تونسے ہوئے کھڑے ہیں
کانٹوں سے تتلیوں کے بازو چھدے پڑے ہیں

شعلے برس رہے ہیں ہر سمت بستیوں میں
گویا اتر رہا ہے خورشید پستیوں میں

چھائی ہے بدحواسی ہر چہرۂ حسیں پر
ذرّے تڑپ رہے ہیں تپتی ہوئی زمیں پر

سنسان سی پڑی ہیں آباد شاہراہیں
دہکی ہوئی فضا میں بیتاب ہیں نگاہیں

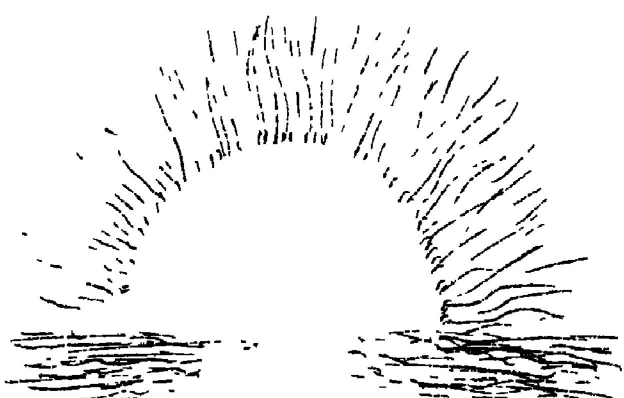
گنجان جھاڑیوں میں لپٹیں رکی ہوئی ہیں
سمٹے ہوئے ہیں پتے شاخیں جھکی ہوئی ہیں

ہر موج کو ہے دعویٰ بجلی کی ہمسری کا
گرداب پر گماں ہے خورشیدِ خاوری کا

موجیں نہیں رو پہلے خنجر لچک رہے ہیں
یہ بلبلے نہیں ہیں شعلے دہک رہے ہیں

آنکھوں کے سُرخ ڈورے تُو نے جلا دیئے ہیں
سُورج کی تیزیوں نے چشمے سُکھا دیئے ہیں

جامِ جہاں میں گردوں تیزاب بھر رہا ہے
اک آتشیں سمندر سر سے گذر رہا ہے
آتشکدے کی ہر سو تصویر کھنچ رہی ہے
احسانؔ! آہ اس پر تقدیر کھنچ رہی ہے



نیرنگِ تصوّر

مجھے ویسے تو ہر لمحہ تمہاری یاد آتی ہے
جگر میں چٹکیاں لیتی ہے دیوانہ بناتی ہے
اندھیری رات لیکن اک قیامت ساتھ لاتی ہے

تری تصویر ہوتی ہے مری بزمِ تصوّر میں

سنکتی ہے نسیمِ سرد جس دم شاخساروں میں
برس پڑتے ہیں نغمات کے ترنّم آبشاروں میں
بکھر جاتے ہیں جب شبنم کے موتی سبزہ زاروں میں

مری رُوحِ حزیں کو حسن آئینہ دکھاتا ہے

چمن زاروں پہ کھُل جاتے ہیں جب ساتگے گیسو
مچلتے ہیں رُخِ تنویر پر ظلمات کے گیسو

اُور اس پر اُف اندھیری گھُپ برستی رات گیسو

محبت لیکے مشعل خانۂ دل میں اُترتی ہے

بیاباں کے حسیں، معصوم، اور خاموش نظارے

وہ بھیگی رات بھیگی چاندنی اور ڈوبتے تارے

فضاؤں میں نسیم سرد کے پُرکیف ہوائے

مری رگ رگ میں کیف بادۂ سرجوش ہوتا ہے

جھلکتی چاندنی جب رقص کرتی ہے نگاہوں میں

اُترتی ہے خموشی آسماں سے شاہراہوں میں

برستا ہے سکوتِ ہَول پرور خانقاہوں میں

کوئی نوریں دریچہ کھول کر سینے میں آتا ہے

رازِ شباب

یاد آیا میکہ ہنگامِ غروبِ آفتاب
روئے عالم پر صباحت کی تھی ہلکی سی نقاب
بھینی بھینی نکہتیں تھیں کچھ ہوائے سرد میں
ہوتا جاتا تھا اضافہ دل کے میٹھے درد میں

رائے[1] سینا میں وہ دیکھا جلسۂ رقص و سرود
جسمیں تھے سب دلنشیں تہذیب کے رسم و قیود
دل کی حالت اور تھی آنکھوں کا تھا کچھ اور رنگ
ولولوں میں چھڑ گئی اک کفر اور ایماں کی جنگ
کشمکش میں تھی لبوں پر دل کی رنگیں واردات
موجزن آنکھوں میں تھی اک روح پرور کائنات

[1] نیو دہلی

ہر طرف تھا مائلِ شبخوں جمالِ بے پناہ
نرم رخساروں کی تابانی پہ لرزاں تھی نگاہ
دلنشیں آواز میں جھنکار وہ محشر اساس
جیسے پتھر پر گرے میخوار سے رنگیں گلاس
کھل رہے تھے یوں ہوا سے گیسوؤں کے پیچ و خم
جسطرح اک شاعرِ بیخود کا اندازِ رقم
وہ جمالِ دلنشیں ہیں اک ادائے خود پرست
جسمیں پوشیدہ تھی نیرنگِ تمنا کی شکست
سیلِ رنگیں تھی کہ جنبش اُن قمر پاروں میں تھی
میرے دل کی جانِ خوں آشام تلواروں میں تھی

۲

آجتک وہ مست گھڑیاں یاد آتی ہیں مجھے

رات کی گہری خموشی میں رُلاتی ہیں مجھے

یادگارِ عشرتِ عہدِ جوانی ہے یہی
نیند کی دشمن خلش پرور کہانی ہے یہی
آہ یہ وہ زہر نشتر ہے کہ جس کی تیز دھار
رفتہ رفتہ سینۂ تسکیں کے ہو جاتی ہے پار
عہدِ برنائی ہے وہ احساس کی خلدِ نعیم
سنساتی ہے جہاں مرگ آفریں بادِ نسیم
یہ وہ میخانے کی شب ہے جس کی یادِ کیف بار
کرتی رہتی ہے ضعیفی کا کلیجہ داغدار
یاد اس کمبخت کی آتی ہے جب شام و سحر
چاٹ جاتی ہے عروسِ عمر کے قلب و جگر

تلخ ہو جائے نہ جینا زندگانی میں مجھے
موت دے یارب مری اٹھتی جوانی میں مجھے

ساون

برسات کی بھیگی راتوں میں اکثر یہ عالم ہوتا ہے
دل ہنستا ہے میں روتا ہوں میں ہنستا ہوں دل روتا ہے

سیلابِ ترنم بن بن کر پُر کیف ہوائیں چلتی ہیں
گلزار برستی راتوں میں نغمات کی دنیا ہوتا ہے

ساحل سے پرے لہراتا ہے سبزی کا سمندر کوسوں تک
فرحت وہ روح کو ہوتی ہے دل جوش میں آکر روتا ہے

جس وقت اُترتی بوندوں میں سارس کی صدائیں سنتا ہوں
بیتاب سلگتے سینے میں فریاد کا پیکر ہوتا ہے

احساس پہ چھائے رہتے ہیں مدہوش ترانوں کے بادل
آغوشِ عروسِ فطرت میں معصوم بیاباں سوتا ہے

رنگین پھریرے اُڑتے ہیں تسکین کے بالاخانوں پر
گو چار ہی دن کا ہوتا ہے، کیا خوب تماشا ہوتا ہے؟

کعبے کی حقیقت کھلتی ہے، اٹھتا ہے نقاب بتخانہ
ہر اشک نظر کے دامن سے تفریق کے دھبّے دھوتا ہے

پہلو سے ندا یہ آتی ہے ہر چیز فنا ہو جائے گی
بے سود بہارِ دنیا پر سر دھنتا ہے خوش ہوتا ہے

کیوں بارِ تغافل رکھتا ہے ایمان کی پُشتِ نازک پر
عصیاں کی سراب انگیزی میں طغیانِ جہنم ہوتا ہے

مایوس امیدیں دل میں لئے میں نہر کے پُل پر بیٹھا ہوں
تخئیل ہے گو بیدار مری انساں نصیبا سوتا ہے

کیفِ صبوحی

آسمانوں پر ستارے آنکھ جھپکانے لگے
نو عروسِ صبح کے جلوے نظر آنے لگے

بامِ مشرق پر سنہری بدلیاں رقصاں ہوئیں
رات کے مدہوش منظر ہوش میں آنے لگے

پتلی پتلی ٹہنیوں میں آگئی دلکش لچک
گیسوئے سنبل ہوا سے پیچ و خم کھانے لگے

جانے کیا چپکے سے آکر کہہ گئی بادِ نسیم
میگسارانِ گلستاں وجد میں آنے لگے

مطربانِ بزمِ فطرت کے چھڑے زرّیں ستار
نغمۂ جاں بخش مرغانِ چمن گانے لگے

ذرّے ذرّے میں جھلک اُٹھی شعاعِ حسنِ دوست
اوس کے قطرے ہرے پتوں پہ تھرّانے لگے

ہیں پسینے میں گلوں کے پیرہن بھیگے ہوئے
چارسو غنچے چٹک کر کیف برسانے لگے

ہیں فضاؤں میں شمیمِ گل کی موجیں رقص کار
حسنِ فطرت کے تبسّم روح پر چھانے لگے

باغ کی تاریکیوں میں آچلی نورانیت
کیا وہ عارض سے نقابِ ناز سرکانے لگے

ہر روش پر ہے خراماں صرصرِ رنگ و جمال
تھامنا ساقی! کہ ہوش اب ہاتھ سے جانے لگے

حضرتِ احساںؔ لب پہ پھر وہی ذکرِ حبیب
پھر اُسی افسانۂ ماضی کو دُہرانے لگے

شملے سے سمر ہل آتے ہوتے

یہ شملے کی فضا یہ فطرتِ رنگیں کے نظارے
نگاہِ جلوہ بیں میں رقص کرتے ہیں قمر پارے

صدائے نغمۂ تقدیس کے خاموش ہنگامے
عروسانِ بہارِ کوہ کے مدہوش ہنگامے
کمالِ رنگ و بو کے عیش در آغوش ہنگامے
نقوشِ جلوۂ بیرنگ کے گلپوش ہنگامے

ہوا کے بازوؤں پر مست و خوش منظر گھٹاؤں میں
کوئی مصروفِ سیرِ حسن ہے رنگیں فضاؤں میں

ہوا کے نرم جھونکے سبزہ زاروں پر مچلتے ہیں
پری وش سوتے سوتے جس طرح کروٹ بدلتے ہیں

ترنم ریز چشمے بادۂ سیمیں اگلتے ہیں
بہاریں وادیوں میں کیف کے دریا اُبلتے ہیں
گلِ رنگیں ہیں یا چھلکے ہوئے مستی میں پیمانے
جدھر دیکھو اُدھر ہیں وجد کرتے سیّال میخانے

بلند و پست پر ہے دستِ قدرت کی قلمکاری
زمرّد زار میں ہے رنگ و بو کی گرم بازاری
فضا میں گونجتا ہے نغمۂ جاں بخش بیداری
یہ عالم ہے کہ باہم مل گئیں مستی و ہشیاری

ٹھٹک کر پھول کی ہر پنکھڑی پر کانپ جاتی ہیں
یہ کس گلپوش کو میری نگاہیں بھانپ جاتی ہیں
ہے رشکِ خلد ان سنگین دیواروں میں تنہائی
بساطِ حسنِ فطرت پر نگاہوں کی جبیں سائی

بہارِ حُسنِ قدرت کی دل آویزی، دل آرائی
گھٹائیں، ننھی ننھی بوندیاں، چشموں کی شہنائی
یہ وہ رنگیں گلستاں ہے جو معمورِ لطافت ہے
یہاں کا ذرہ ذرہ مشعلِ راہِ محبت ہے

کمپنی باغ لائل پور میں شبِ ماہتاب

موجزن ساکت فضاؤں میں ہے بحرِ سیم ناب
با ہزاراں آب و تاب

عارضِ فطرت پہ ہے ضو ریز ہلکی سی نقاب
باعثِ صد اضطراب

کیف لرزاں ہے ربابِ فطرتِ مدہوش میں
نغمۂ خاموش میں

ہو رہی ہے باغ پر بارانِ صہبائے شباب
بیخودی ہے بے حجاب

اس ترنم خیز خاموشی میں کیفیت نہ پوچھ
اُف مری حالت نہ پوچھ

چھڑ گیا ہے میری رگ رگ میں محبت کا رباب
دل ہے محوِ اضطراب

ذرے ذرے میں جمالِ دوست کی آبادیاں
روح کی شادابیاں

اشک ہیں یا دیدۂ تر میں چھلکتی ہے شراب
وا ہے کیفیت کا باب

نشے میں بھیگی ہوئی سی ہے ہوائے نیم شب
دل کی حالت ہے عجب

بن گیا ہے عالمِ امکاں طرب زارِ شباب
باغِ جنت کا جواب

ٹہنیوں میں شکر کے سجدے ہیں تھرائے ہوئے — جوش میں آئے ہوئے
ہوتا جاتا ہے عذارِ زندگانی بے نقاب — اُٹھ گیا دل سے حجاب
سبز پوشانِ حریمِ گلستاں سوئے ہوئے — نیند میں کھوئے ہوئے
پتی پتی باغ کی ہے حُسنِ فطرت کی کتاب — کھُل گئے رحمت کے باب
عالمِ امکاں سراسر عالمِ انوار ہے — اک لطافت زار ہے
امتیازِ عیش و غم ہے کاوشِ ناکامیاب — اللہ اللہ انقلاب
دلنشیں ہے کس قدر معصوم کلیوں کی ادا — اُف رے حُسنِ دلربا
چومتی ہے جنکا منہ جھک کر شعاعِ ماہتاب — بیہُش ہے خوابِ شباب

نادیدہ دوست سے

جب کسی میں تابِ نظّارہ نہیں پاتا ہے تو
کس لئے پھر سامنے آنے سے شرماتا ہے تو

خواب میں جھلکا کے تاریکی میرے مقسوم کی
آہ، بیداری سے کس گوشے میں چھپ جاتا ہے تو

آنسوؤں میں جھلملاتا ہے ترا عکسِ جمیل
دیدۂ گریاں میں اک تنویر برساتا ہے تو

صبح دم خورشید کی زرّیں کرن کے بھیس میں
باغ میں دوشیزہ کلیوں کو ہنسا جاتا ہے تو

چھاؤں میں تاروں کی جب دم توڑ دیتی ہے نگاہ
نیند بن کر میری آنکھوں میں اتر جاتا ہے تو

جب کبھی لگتی ہے ساون میں کئی دن کی جھڑی
وادیٔ دل میں تجلّی بن کے چھا جاتا ہے تو

پتّی پتّی سے سُنا کرتا ہوں تیرا ذکرِ خیر
صبحدم لب بستہ غنچوں کو جو چٹکاتا ہے تو

سوئے مشرق نور کے چشمے اُبلتے دیکھ کر
بھولنے والے قسم ہے یاد آجاتا ہے تو!

ٹمٹماتے دیکھتا ہوں جب مزاروں پر چراغ
آنسوؤں میں مضطرب تنویر بن جاتا ہے تو

ڈوبتا ہے جب گھنے باغوں کے پیچھے آفتاب
بن کے سناٹا بیابانوں میں چھا جاتا ہے تو

جب گلابی چاندنی میں ہوتی ہے تعمیرِ صبح
سُرخیاں بن کر لبِ بامِ اُفق آتا ہے تو

جب گھنے جنگل میں چھا جاتے ہیں بادل ہر طرف
یاد آ آ کر دلِ محزوں کو تڑپاتا ہے تو

اوس کی بوندوں سے مس ہو کر جو آتی ہے نسیم
میرے خوابیدہ جنوں کو گدگداتا ہے تو

آہ، لپکا کر اُفق پر مہر کی پہلی کرن
روند کر میری نگاہوں کو نکل جاتا ہے تو

بولتے ہیں جب اترتی دھوپ میں ساحل پہ مور
میٹھا میٹھا درد سا دل میں اُٹھا جاتا ہے تو

ہیں میری بیکل نگاہیں تیرے عارض کی نقاب
جب میں آنکھیں بند کرتا ہوں نظر آتا ہے تو

اب میں سمجھا تیرے اندازِ تغافل کا سبب
مجھکو در پردہ رموزِ عشق سمجھاتا ہے تو

کیفِ برشگال

وہ دن بھولا نہیں احسانؔ اب تک
کہ گردوں پر اندھیرا چھا رہا تھا

بیاباں پر جوانی آ رہی تھی
جوانی پر بیاباں آ رہا تھا

گھٹاؤں کے شفق گوں دامنوں پر
سنہری اژدہا لہرا رہا تھا

گرجتے تھے جو ہیبتناک بادل
غرورِ زندگی تھرّا رہا تھا

ترنّم ریز تھیں پتّوں پہ بوندیں
جہاں کا ذرّہ ذرّہ گا رہا تھا

محبت کا گیا گذرا زمانہ
دلِ بیتاب کو یاد آ رہا تھا

دلِ مضطر سے جذبِ شوقِ دیدار
نگاہوں میں سمٹ کر آ رہا تھا

نظر پہ بیخودی سی چھا رہی تھی
تموّج پر تخیل آ رہا تھا

ہر اک بھیگا ہوا جھونکا ہوا کا
شمیمِ زلفِ مشکیں لا رہا تھا

گھنے باغوں میں سناٹے کا عالم
نکاتِ زندگی سمجھا رہا تھا

خودی کے رُخ سے چلمن اُٹھ رہی تھی
خدا کا نام لب پر آ رہا تھا

مجھے جذباتِ رنگین کا سفینہ
خدا جانے کہاں لیجا رہا تھا

دلِ حسّاس پر رحمت کا بادل
نشیلی روشنی برسا رہا تھا

جوانی کی بہارِ جانفزا پر
سرورِ رُوح پرور چھا رہا تھا

درختوں کے تلے اک جھونپڑی میں
کوئی دھیمے سُروں میں گا رہا تھا

جہاں را ترک کردم شاد گشتم
ز قیدِ رنج و غم آزاد گشتم

استفسارِ زرّیں

نسیمِ صبح کی امواجِ عطر افشاں کو
شمیمِ گیسوئے سردارِ انبیا کی قسم

گدازِ عشق سے معمور جن کے سینے ہیں
انہیں رسومِ محبت کی ابتدا کی قسم

خرابِ بادہ کو سوگند دستِ ساقی کی
شہیدِ حسن کو نیرنگیٔ ادا کی قسم

انھیں جو ملتِ بیضا پہ جان دیتے ہیں
شہِ مدینہ و خلاقِ دوسرا کی قسم

شرابِ حسن سے مخمور مہ جبینوں کو
تصرفاتِ نگاہِ خرد رُبا کی قسم

دراز گیسو و زرّیں خرقہ پوشوں کو
رہِ طریقتِ اقدس کے رہنما کی قسم

صنم کدوں میں جو محوِ سجود رہتے ہیں
اُنہیں بتوں کے جمالِ خدانما کی قسم

غمِ حسینؑ میں آزردہ رہنے والوں کو
وقارِ یثرب و توقیرِ کربلا کی قسم

قسم ہے زاہدِ مسجد نشیں کو حوروں کی
گناہگار کو دامانِ مصطفےٰ کی قسم

بشر کو جن و ملائک کو حور و غلماں کو
درِ نبی کی قسم عرشِ کبریا کی قسم

بتائیں شورشِ کونین کا مآل مجھے
ستائے جاتا ہے احسانؔ یہ خیال مجھے

یادِ وطن

اے وطن والو! اسیرِ ظلمتِ قسمت ہوں میں
آہ اک بچھڑا ہوا آوارۂ غربت ہوں میں
تم مجھے بھولے ہو گر اچھا! رہو دنیا میں شاد
ہاں مگر مجھکو تمہاری محفلیں آتی ہیں یاد
گاہ وہ صبحیں گھٹا میں گونجتی تھی جب اذاں
گاہ وہ شامیں جب آجاتے تھے جنگل سے کساں
گاہ گرمی کی بھبکتی دوپہر کیا اشتعال
جس میں تالابوں سے بھینسوں کا نکلنا تھا محال
گاہ اُس گنجان جنگل میں پرے ندّی کے پار
شام کے گہرے دھندلکے میں کسی کا انتظار

گاہ سیمیں عارضوں میں اشکبار آنکھوں کی رات
نکہتوں میں جنکی کھو جائے خرد کی کائنات

گاہ پتلے نرم ہونٹوں کے ہلالوں کی قطار
اور اُن سے اک طرب پرور تبسّم کی پھوار

گاہ وہ اُمڈے ہوئے دل سے لبوں میں تھرتھری
شاہ رگ میں اک کسک آنکھوں میں ہلکی سی تری

گاہ گورستان میں وہ ٹوٹتی شب کا سماں
ٹمٹماتی نیم جاں شمعوں کی غمگیں ہچکیاں

گاہ وہ گرمی اُڑا کرتی ہے جب ندّی پہ دھول
ڈھاک کی شاخیں اُگل دیتی ہیں آتش رنگ پھول

گاہ وہ اُف کرکے چونک اُٹھنا ذرا سونے کے بعد
گاہ اک شاداب اطمینان سا رونے کے بعد

گاہ اُن اشکوں کے نقشے ہیں تصور زار پر
دم زدن ہی میں ڈھلک آتے ہیں جو رخسار پر

گاہ وہ ٹھنڈی نشے میں چور راتوں کی فضا
شب کی خاموشی میں ہلکی مینہ برسنے کی صدا

گاہ وہ کھیتوں کی گہری سبزیوں میں دل چھپے
سرد پانی کی چمکتی نالیوں کے حاشیے

گاہ وہ باغوں کا منظر ختم ہوں جب گرمیاں
خشک مٹیالی پتا ور میں چھما چھم بوندیاں

گاہ ہل والے سے تھوڑی دور جامن کے تلے
کھیت کے پہلو میں جالوں پر ستارے اوس کے

آہ یہ رنگیں بہاریں قلب سے ہیں متصل
مہ رخوں کی چندا آنکھیں میکشوں کے چند دل

یاد میں راتوں کو ان کی اُٹھ کے رو لیتا ہوں میں
اشک پیہم سے غبارِ روح دھو لیتا ہوں میں

طلسم خیال

تیرے جلوے ہیں میرے فکر کی گہرائی میں
تیرے اذکار ہیں خاموشئ تنہائی میں
تیرے انوار ہیں تخئیل کی بینائی میں

میرے سجدوں میں ہے بیتاب تمنّا تیری
دل یہ کہتا ہے کہ رازِ غمِ الفت کہہ دے
داستانِ تپشِ سوزِ محبت کہہ دے
عالمِ صبر و شکیبائی کی حالت کہہ دے
یعنی تجھ تک تیرا پیغام جوانی پہنچے

نذرِ سلمیٰ کے لئے ہے نہ یہ عذرا کے لئے
دل مرا وقف ہے بس تیری تمنّا کے لئے
اب یہ دنیا نہ بنے گا کبھی دنیا کے لئے
اسکی ہر رگ میں ہے اک درد کی دنیا آباد

واردات غم و آلام زمانہ سن لے!
لذتِ سوز سے لبریز ترانہ سن لے!
سن لے سن لے مرا غمگین فسانہ سن لے!
اسکا ہر لفظ حقیقت میں ہے تفسیرِ شباب

شمع بجھنے پہ ہے اُمید کے کاشانے کی
بڑھتی جاتی ہے سیاہی مرے غم خانے کی
آرزو ہے ترے جلوؤں میں سما جانے کی
نکہت و رنگ کے پردوں میں چھپا لے مجھکو

روشن آغاز میں انجام تمنا کر دے
آئینہ دل مجھے اور آئینہ سیما کر دے
خود تماشائی ہوں جس کا وہ تماشا کر دے
روح بیتاب ہے جلووں میں سمانے کیلئے

ایک گزشتہ چاندنی رات کا تصوّر

آہ، وہ شب چودھویں پر تھی بہار آئی ہوئی
کائناتِ دل پہ تھی بجلی سی لہرائی ہوئی
رقص کرتا تھا فضاؤں میں غبارِ کوہِ طور
خاک کے ذرّات میں دوڑی ہوئی تھی رُوحِ نور
حُسن تھا دامن کشِ دل ملگجی سی ریت میں
گم تھیں نظریں چاند کے سیمیں سہانے کھیت میں

مسکراہٹ نیم وا غنچوں میں شرمائی ہوئی
پتّے پتّے پر حیا کی کیفیت چھائی ہوئی

اک تجلّی کا سمندر جوش میں آیا ہوا
نور کا جلوہ بلند و پست پر چھایا ہوا

خواب کے طوفان منڈلاتے ہوئے تھے چار سو
محفلِ دنیا تھی اک تصویرِ حیرت ہو بہو

سبزہ زاروں میں یہ حالت شبنمِ مہتاب کی
جس طرح بارش ہوئی ہو دیر تک سیماب کی

سیکڑوں مہتاب جلوے تھے ہوا کے دوش پر
بارشِ کیف و طرب تھی کشورِ خاموش پر

ناچتی تھی نرم سبزے پر سرور آگیں صبا
پتّا پتّا تھا شرابِ ناب میں بھیگا ہوا

آ رہی تھی اس طرح شاخوں سے چھن کر چاندنی
سائے میں تھی صورتِ فرشِ مشجر چاندنی

کہکشاں تھی نیم وا کلیوں کے جھرمٹ پر نثار
منہ کھلے سوتے تھے سائے نازنینانِ بہار

تھی فضاؤں میں کسی کے حسن کی سرمستیاں
سادگی کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا آسماں

جلوۂ نور و فورِ رنگ میں کھوئی ہوئی
فرشِ گل پر مست و بیخود تتلیاں سوئی ہوئی

سرو کی انگڑائی میں پرچم اڑاتی تھی بہار
گنگناتے تھے کہیں دھیمے سُروں میں آبشار

چل رہی تھی ٹھنڈی ٹھنڈی مست جاں پرور ہوا
سن رہا تھا دل کسی کے سانس کی ہلکی صدا

چاند کی دوشیزہ کرنیں تھیں فضا میں جلوہ کار
نور کی سانسیں سی تھیں قلبِ فضا میں بیقرار
ڈھیریاں تھیں خشک پتّوں کی درختوں کے تلے
جیسے دوشیزہ گلستاں زادیوں کے مقبرے

موجزن تھا عالمِ امکاں پہ بحرِ سیم ناب
ذرہ ذرہ تھا نظر افروز جلووں کی کتاب
آنکھ یہ کہتی تھی ناداں پھر کہاں ایسا سماں
دل یہ کہتا تھا نہیں اک خواب ہے بزمِ جہاں

نپولین

ترقی پر تری حیراں ہے بزم روزگار اب تک
جگرداروں میں ہے تیرے ارادوں کا وقار اب تک

تری نصرت کے چرچے آج تک ہیں کامیابوں میں
تری تصویر اب بھی شب کو کھنچ جاتی ہے خوابوں میں

تخیل کی فضا رنگیں ہے تیری داستانوں سے
دلِ تاریخ روشن تیرے زرّیں کارناموں سے

ترے قدموں پہ نازاں ہے زمینِ کارزار اب تک
تصوّر میں تری خونریزیاں ہیں لالہ کار اب تک

تجھے اٹلی کی حیراں شاہراہیں یاد کرتی ہیں
تجھے شب کے ستاروں کی نگاہیں یاد کرتی ہیں

تیرا سکہ ہے ابتک مصر کے شاہی خزینے میں
امانت ہیں ترے نقشِ قدم پیرس کے سینے میں
ترے مرقد پہ اب تک ہیبتِ مردانہ طاری ہے
سکوتِ مرگ میں مستور شانِ بُردباری ہے

خوابِ سحری

جمال کار ہیں گلشن میں سامری مشرب
کلی کلی میں ہے فیضانِ جامِ سحری
نسیم سرد کی موجیں سجودِ بے سیما
نگاہِ نرگسِ شہلا میں درسِ بے خبری
سیاہ خانۂ شب سے اٹھی ہے صرصرِ نور
سکوت زادۂ شب ہے ترانۂ سحری

کہاں ہیں اہلِ تجسّس کہ ہو گیا ثابت
مآلِ پردہ نشینی ہے شغلِ پردہ دری
ہر ایک غنچۂ نورس ہے نافۂ مشکیں
عذارِ گل سے ٹپکتا ہے رنگِ فتنہ گری

بدل دیا ہے فضائیں بدلنے والے نے
فغانِ نیم شبی سے ترانۂ سحری
ہر ایک شاخِ گلِ تر ہے تارِ سازِ بہار
دیارِ عقل و خرد ہے رہینِ بے خبری
اُدھر ہے سبزۂ خودرو پہ جلوۂ شبنم
اِدھر ہے چشمِ تماشا میں آنسوؤں سی تری
شعورِ مطربِ ساز آزما معاذ اللہ
برس رہے ہیں ہواؤں سے نغمۂ سحری

مرا جنونِ خطا کار سربسجدہ ہے مگر
ہے کائناتِ محبت خرابِ بے خبری

نگاہِ خلد بداماں ہے بے نیازِ حدود
سرورِ خانۂ دل ہے ہلاکِ جلوہ گری

اُتر رہا ہے جگر میں کسی کا ناوکِ ناز
رگوں میں تیر رہا ہے تبسمِ شرری

صنم کدوں میں پجاری ہیں آفتابہ بدست
جمال ریز جبیں پر ستارۂ سحری

شبابیاتِ گلستاں کی روئداد نہ پوچھ
ہے بے نیازئ فطرت رہینِ جلوہ گری

نگاہِ شوق میں ہے رقصِ تابشِ صد رنگ
شبابِ بے خبری ہے شبابِ بے خبری

تصرفات محبت کا معترف ہے ضمیر
نہیں ہے جلوۂ فطرت شکار کج نظری

گیا وہ وقت کہ تھی بارگاہِ خوبی میں نا
فغاں میں خندہ نوازی دعائیں بے اثری

فدائیانِ محبت پہ جذب طاری ہے
نہ جوشِ جامہ دری ہے نہ ہوشِ بخیہ گری

نہیں ہے قابلِ ترمیم نقش کاریٔ حسن
حیاتِ قلبِ حزیں ہے ادائے یک نظری

نگاہِ زیست میں احساسِ خاکساری ہے
نثارِ عجز ہے تکمیلِ معصیت نظری

شعاعِ مہر ہے مشاطۂ عروسِ بہار
کھلے ہیں رات کے سینے پہ کاکلِ سحری

یہ حشرِ عشق، یہ دوشیزہ صورتوں کے ہجوم،
کہاں سادہ روی میں کمالِ فتنہ گری؛

وفورِ لالہ و گل ہے حریفِ سیرِ چمن
قدم قدم پہ مچلتا ہے توسنِ نظری

ہجومِ غنچہ وشاں ہے چمن میں محوِ خرام
رطِ فتنوں سے لبالب ہے سینۂ سحری

حدودِ عرش سے بالا ہے فکر کی پرواز
تاثرات میں گم ہے تکلمِ بشری

مگر یہ کون ہے احساس جو دل میں کہتا ہے
یہ خوابِ بیخبری ہے یہ خوابِ بےخبری

ڈاکٹر اقبالؒ کی کوٹھی

برسات کی اک شام سے زرکار تھا عالم
تھیٹر کے قریں خلدِ بریں کا تھا نظارا

بھیگے ہوئے پیڑوں کی پھننگیں تھیں گلابی
لیکن کوئی چمکا نہ تھا گردوں پہ ستارا

اُٹھیں جو یکایک مری مخمور نگاہیں،
چمکا مرے دل میں غمِ پنہاں کا شرارا

چھائی ہوئی کوٹھی کی منڈیروں پہ اُداسی
غم پرور و غم خیز و غم اندوز نظارا

سنسان سی دہلیز تھی بے نور سے کمرے
جنکو کبھی اوّل سے سجایا نہ سنوارا

دالان کے زخموں میں تھا برسات کا پانی
اینٹوں کا پلستر کے شگافوں سے نظارا

یہ دیکھ کے اک درد سا اٹھا مرے دل میں
اشکوں کو نہ آنکھوں میں رہا ضبط کا یارا

تھی سامنے ناقدریٔ احباب کی تصویر
اشکوں سے ہوا تر مرے دامن کا کنارا

حیراں تھا کہ ہوتا ہے ضیا بار یہاں سے؟
تہذیب کے گردوں کا درخشندہ ستارا

ہے جس کی نظر سوزشِ مستور کی شاہد
ہر موجِ نفس جلوۂ سینا کا شرارا

حل کرتا ہے راتوں کو ستاروں کے معمے
ہے عرشِ بریں جس کے تخیل کا کنارا

ہر مصرعۂ موزوں میں چھلکتی ہے گلابی
ہر شعر ہے اک کوثر و تسنیم کا دھارا

ہر لفظ ہے مستقبلِ زرّیں کا پیامی
ہر بات میں بیداریٔ مسلم کا اشارا

اللہ کی قدرت کا تماشا تھا نظر میں
اقبالؔ کا اور ایسے مکاں میں ہو گذارا

سنتا ہوں کہ اب ہو گئی کوٹھی کی مرمّت
احسانؔ کبھی دیکھنے جاؤں گا دوبارا

علی گڈھ کے ایک باغ میں

مژدہ میخوار و بہاریں باغ میں آنے لگیں
آسماں پر کالی کالی بدلیاں چھانے لگیں

کھل گئیں غنچوں کی باچھیں مسکرائی بزمِ گل
جوشِ مستی میں ہوائیں ٹھوکریں کھانے لگیں

شاخساروں کے دھندلکے میں ہیں رقصاں زمزمے
ننھی ننھی بند کلیاں وجد میں آنے لگیں

ذرّے ذرّے سے جمالِ حسن کی پھوٹی کرن
مہرِ تاباں کی شعاعیں نور برسانے لگیں

چونک اٹھے خوابِ نوشیں سے حسینانِ چمن
ہلکی ہلکی سرد کو انگڑائیاں آنے لگیں

ٹہنیاں جھومیں ہوا سنکی، الاپے آبشار
انبساط آگیں ترانے بلبلیں گانے لگیں

شبنمی غازے سے نکھرے سبز پوشانِ بہار
نکہتیں صحنِ چمن میں کیف برسانے لگیں

سبزہ زاروں میں ہوا سے دائرے پڑنے لگے
جنتیں بکھری ہوئی ہر سو نظر آنے لگیں

جوششِ مستی میں ہوئے جاتے ہیں دیوانے طیور
قوس کی رنگینیاں وحشت سی برسانے لگیں

جاگ اٹھا پتی پتی میں جمالِ دل فروز
نونہالوں کی ادائیں دل کو تڑپانے لگیں

چرخِ نیلی سے برستا ہے سرورِ جاں فزا
عارضِ گل پر بلا کی سرخیاں آنے لگیں

جھک رہا ہے سقفِ میخانہ پہ ابرِ نوبہار
میکشوں کو رحمتیں ممنونِ فرمانے لگیں
سُرخ ڈورے پھر کسی کی آنکھ کے یاد آگئے
پھر وہی احسانِ دلبر مستیاں چھانے لگیں

وداعِ جوانی

بہارِ دہر مے برسا رہی ہے
ہوس نغمے کی ترانے گا رہی ہے
شقاوت دامِ زر پھیلا رہی ہے
صدا یہ دل سے پیہم آ رہی ہے
وغا دے کر جوانی جا رہی ہے

بہاریں باغ کی دیوانہ گر ہیں
زمین و آسماں زیر و زبر ہیں
حسینوں کی نگاہیں پراثر ہیں
مظالم خیز انوارِ سحر ہیں
چمن کی ہر کلی شرما رہی ہے

فریبِ دہر کھلتا جا رہا ہے — خیالِ عاقبت تڑپا رہا ہے
تمناؤں پہ دل نشتر مارہا ہے — امیدوں پر دھندلکا چھا رہا ہے
طبیعت خود بخود گھبرا رہی ہے

گذشتہ عمر یاد آتی ہے اکثر — دلِ محزوں کو تڑپاتی ہے اکثر
لہو آنکھوں سے رلواتی ہے اکثر — سکوں پر برق منڈلاتی ہے اکثر
امنگوں پر اداسی چھا رہی ہے

جو ہنستا ہوں تو بھر آتے ہیں آنسو — مژہ پہ آ کے تھرّاتے ہیں آنسو
تڑپتا ہوں جو تھم جاتے ہیں آنسو — دلِ مضطر میں گھبراتے ہیں آنسو
فضا اندوہ سا برسا رہی ہے

غش آ جاتا ہے اب آوازِ نَے سے — پھرا جاتا ہے سر طرب کی لے سے
بھر آتا ہے دل اذکارِ مَے سے — طبیعت پھر گئی ہر ایک شے سے
ضعیفی سر جھکائے آ رہی ہے

ہے دل اب مائلِ انجامِ دُنیا — ہوئی پیری صبح میں اب شامِ دُنیا
تڑپ جاتا ہوں سنکر نامِ دُنیا — نظر آتی ہے دنیا دامِ دُنیا
حقیقت اپنی کھُلتی جا رہی ہے

دگرگوں ہے نظامِ بزمِ عالم — ہر اک ذرہ ہے گویا چشمِ پُر نم
اڑاتی ہیں ہوائیں غم کا پرچم — بپا ہے جابجا اک شورِ ماتم
قضا زنجیرِ در کھڑکا رہی ہے



حسنِ نظر

نگاہیں جلوۂ رنگِ شفق میں ڈوب جاتی ہے
حریمِ جام سے جب حُسنِ صہبا دیکھ لیتا ہوں

تجلّی دینی ہے تیری بے نیازی جب امیدوں کو
میں اس دُنیا ہی میں انجامِ دُنیا دیکھ لیتا ہوں

مرے آئینہ امروز کے صیقل کا کیا کہنا
کہ جس میں منعکس تصویرِ فردا دیکھ لیتا ہوں

جبیں میں بے ریا سجدوں کا اک طوفاں مچلتا ہے
سرِ بزمِ طرب جب عجزِ مینا دیکھ لیتا ہوں

نقابِ رنگ و بو میں چھپنے والے یہ بھی سوچا ہے!
میں ہر ذرّے کی پیشانی میں صحرا دیکھ لیتا ہوں

نگاہوں کو مری فرصت نہیں ہے، خود شناسی سے
میں دل کے آئینے میں جانے کیا کیا دیکھ لیتا ہوں

سرِ مغرور جب تیری قدمبوسی کو جھکتا ہے
میں اپنی آنکھ سے اپنا تماشا دیکھ لیتا ہوں

نگاہوں میں وہ جلوے بھر دیئے مشقِ تصوّر نے
اندھیری رات میں رقصِ تجلی دیکھ لیتا ہوں

مری ناکامیوں پر جب ستارے مسکراتے ہیں
میں اک موہوم سا خوابِ تمنّا دیکھ لیتا ہوں

مجھے احسان وہ گہری نظر دی دینے والے نے
دلِ شبنم میں غلطاں روحِ دریا دیکھ لیتا ہوں

افسونِ بہار

سکوں کہاں ہے ساقیا! گریزِ روزگار میں
سبو اُٹھا سبو اُٹھا ہے کس کے انتظار میں
صلائے بیخودی ہے رنگِ ابرِ نو بہار میں

گھٹا اٹھی ہے کیفیت کا اک جہاں لیے ہوئے
جلو میں لاکھ بجلیوں کے کارواں لیے ہوئے
مغنّیِ بہار نغمہ زن ہے آبشار میں

چمن کے جانفزا نشے میں کھیلتے ہیں ہولیاں
گُلوں کی فرطِ جوش سے مسک رہی ہیں چولیاں
ہوائیں سجدہ ریز ہیں فضائے سبزہ زار میں

تخیّلات میں وفورِ بارشِ سرور ہے

طرب فزا مسرتِ دوام کا ظہور ہے
نگاہ دل کو لیکے جارہی ہے بزم یار میں
سوار آرہی ہیں وحشتیں ہوا کے دوش پر
بہشت سایہ کر رہی ہے محوِ ناؤ نوش پر
تڑپ رہے ہیں میکدے جبینِ میگسار میں
جہانِ عقل و ہوش بن گیا دیارِ بےخودی
خودی کی سرزمین پہ چھا گئی بہارِ بیخودی
ہر ایک سبز پوش کو ہے وجد لالہ زار میں
بہار کی کھلی ہوئی ہیں کائنات پر لٹیں
سیاہ ابر آسماں پہ لے رہا ہے کروٹیں
نگاہِ جلوہ بیں ہے آج گم بہشت زار میں
چھیڑا ہے زخمۂ بہار نے ربابِ بیخودی

ٹپک رہا ہے چمن کے ابر سے شبابِ بیخودی
شمیمِ زلفِ حُور ہے نسیمِ خوشگوار میں

بہار پر ہیں گلستاں کی بے خبر جوانیاں
روش روش پہ چھڑ گئیں شباب کی کہانیاں
ہیں بیقرار جنتیں نگاہِ بیقرار میں

ہجومِ تیرگی ہے کوہ کی ہر اک چٹان پر
برس رہی ہیں جنتوں سے مستیاں جہان پر
اُتر رہے ہیں زمزمے فلک سے آبشار میں

طوافِ زہد کر رہی ہے کیفیت شراب کی
فضاؤں میں ہیں محوِ رقص مستیاں شباب کی
چھلک رہی ہے موجِ مے نگاہِ میگسار میں
فریبِ تیرگی میں آ کے کوندتی ہیں بجلیاں

تو دل کی دھڑکنوں کی کیفیت نہ پوچھ الاماں
چھپا ہے جانے کون اس تبسم شرار میں
کلی کلی کا منہ کھلا ہوا ہے سوئے آسماں
کہ جانے کب برس پڑیں گھٹا سے رس کی بوندیاں
جھلک رہے ہیں بجلیوں کے عکس جوئبار میں
دھواں سا اُٹھ رہا ہے پہلوؤں سے کوہسار کے
بسے ہوئے ہیں چوٹیوں پہ شہر سے خمار کے
یہ سب بجا، مگر ہے دل پرائے اختیار میں



دیہات کی شام

سُرخ مَے برسا رہا تھا شام کا رنگیں شباب
جُھک رہا تھا دُور کھیتوں کے کنارے آفتاب

سرنگوں تھیں ٹہنیاں تھرا رہے تھے سبزہ زار
آ رہی تھیں نیند کی پریاں ہواؤں پر سوار

دامنِ شب میں چھپی جاتی تھی فطرت کی اُمنگ
چھیڑ رہی تھی آبشاروں میں سہانی جلترنگ

آ چکی تھیں گاگریں بھر کر حسیں پنہاریاں
اُٹھ رہا تھا گاؤں کے کچے مکانوں سے دھواں

بند کیں ذروں نے آنکھیں اور لہریں سو گئیں
رفتہ رفتہ شام کی دیوی کی پلکیں جُھک گئیں

راستوں میں ظلمتوں کے سانپ بل کھانے لگے
مست چرواہے چراگاہوں سے گھر آنے لگے

آسماں کے سُرخ جلووں پر سیاہی آ گئی
جھٹپٹا سا ہو کے ہر شے پر اُداسی چھا گئی

اوڑھ کر اک تیرگوں چادر بیاباں سو گیا
سبز کھیتوں پر خنک سایہ مسلط ہو گیا

عالمِ ایجاد پر افسردگی چھانے لگی
جھونپڑوں سے دُودھ دُہنے کی صدا آنے لگی

خامشی پر رنگ آیا شورشِ عالم گئی
آسماں پر انجمِ تاباں کی محفل جم گئی

ظلمتوں میں شام کی دن کا اجالا کھو گیا
آگ کے چوگرد دہقانوں کا جمگھٹ ہو گیا

ہالیوں کو مل گیا دن بھر کی محنت سے فراغ
ٹمٹمایا گاؤں کی چوپال میں دھندلا چراغ

مشورے ہونے لگے نشو و نما کے باب میں
سادہ دل بہنے لگے امید کے سیلاب میں

جنکی ہمت پر تغافل کا اثر ہوتا نہیں
جنکا دامن خونِ پنداری سے تر ہوتا نہیں

جن کی گردِ رہگذر ہے غازۂ روئے بہار
جنکا شانہ روز سلجھاتا ہے زلفِ روزگار

جن کے نقوے سے ہوسناکی ہے فرسنگوں پرے
شہریوں سے جنکے کھوٹے بھی نکلتے ہیں کھرے

بازوؤں پر جن کے نازاں فطرتِ گلشن طراز
کاوشوں سے جنکی حسنِ انجمن ہائے بہ ناز

واہ رے دیہات کے سادہ تمدن کی بہار
یاں نہیں ہوتی جوانوں کی جوانی داغدار

دل یہ کہتا ہے فراقِ انجمن سہنے لگوں
شہر کی شورش کو چھوڑوں اور یہیں رہنے لگوں

گھاس والی

گرمی کی دوپہر تھی تمازت کا دَور تھا
سنّا رہی تھی دشت میں تپتی ہوئی ہوا

چھایا ہوا تھا وسعتِ صحرا پہ اک جنوں
مٹّی سے اَٹ رہا تھا رُخِ چرخِ نیلگوں

سورج کی چشمِ غیظ کا سکّہ جہاں پہ تھا
بادل کا نام تک نہ کہیں آسماں پہ تھا

اُٹھتے تھے جو بلند بگولے اِدھر اُدھر
مینارِ آتشیں کا گماں تھا ہر ایک پر

سمٹے ہوئے تھے گرد سے پتّے اُڑے ہوئے
چکرا رہے تھے ڈار سے آہو کٹے ہوئے

غش کھا رہی تھیں لُو کے طمانچوں سے ٹہنیاں
ننھے جانکنی میں پھول سسکتی تھیں پتیاں

لُو سے ہر ایک شاخ کا سر تھا جھکا ہوا
سبزہ تھا کھیتیوں کے کنارے جلا ہوا

مَوجیں تھیں یا اُبال تھا آبِ چناب میں
ڈر تھا کہ کھنچ نہ جائے زمین آفتاب میں

جھلسے ہوئے درخت تھے جنگل تَپا ہوا
شیشے میں دوپہر کے تھا دوزخ ڈھلا ہوا

چکرا رہا تھا دھوپ سے کھولا ہوا دماغ
بکسے ہوئے تھے موجِ نفس سے جگر کے داغ
بھیرا ہوا تھا چار طرف بحرِ آتشیں
سورج سے تپ رہی تھی پسینے سے تر جبیں
جائے اماں نہ تھی کہیں کوسوں اُجاڑ ہیں
نظریں بھی چھُپ رہی تھیں درختوں کی آڑ میں
انساں نہ دُور دُور سرِ رہگذار تھا
گرمی کی دوپہر تھی کہ طغیانِ نار تھا
تھی زندگی کشاکشِ امّید و بیم میں
عالم تھا غرق جوششِ نارِ جحیم میں
سوکھے ہوئے درخت کے نیچے کنوئیں کے پاس
اک رشکِ حورِ غیرتِ سلمیٰ مگر اُداس

بیٹھی تھی رُخ پہ ہاتھ سے سایہ کیے ہوئے
دم لے رہی تھی گھاس کی گٹھری رکھے ہوئے

آثارِ غم شباب کی بیخود نگاہ پر
رستے کی ریت جلوۂ زلفِ سیاہ پر
آنکھوں میں اک تبسّمِ رنگیں کا انتشار
چادر خزاں کی دوش پہ اوڑھے ہوئے بہار

نکھرے ہوئے شباب پہ میلا لباس تھا
رنگِ بہارِ صبح تھا لیکن اُداس تھا
ہونٹوں پہ موجِ نور تھی مستورِ خامشی
موسیقیٔ شباب تھی مجبورِ خامشی

آئینہ دارِ گردشِ دوراں تھا برملا
روئے گلاب گوں پہ پسینہ بہا ہوا

اک درد سا جگر میں اُٹھا دل کو غم ہوا
دامن تمام اشکِ ندامت سے نم ہوا

دل نے کہا کہ قابلِ رحمت کبھی نہیں
یہ ہند، یہ گناہ میں ڈوبی ہوئی زمیں

پردہ پڑا ہوا ہے کچھ ایسا شعور پر
ہے حسن سربہ خم درِ کبر و غرور پر

پامال ہو رہی ہے نزاکت کی آبرو
مٹی میں مل رہی ہے محبت کی آبرو

باقی جہاں نہ غمزہ و ناز و ادا رہے
اُس کور ذوق ملک میں پھر کوئی کیا رہے

عورت، جو کردگارِ محبت جہاں میں ہے
اُسکی یہ قدر خطّۂ ہندوستاں میں ہے

اثراتِ رباب

سُرمہ افشاں ہے آسماں کی نگاہ
کروٹیں لے رہا ہے ابرِ سیاہ

تر ہے ہلکی پھوار سے جنگل
ہر طرف راستوں میں ہے دلدل

ٹھنڈی ٹھنڈی سنک رہی ہے ہوا
بوئے گل سے مہک رہی ہے فضا

دشت سے جا رہے ہیں چرواہے
راگنی گا رہے ہیں چرواہے

دم بخود ہیں نشیمنوں میں طیور
جانے کس نے کھلا دیا سیندور

نہر کے پُرسکوں کنارے پر
ہے جوانی کا خواب گوں منظر

برق رہ رہ کے تلملاتی ہے
ہر حسیں موج مُسکراتی ہے

اس طرح کچھ خموش ہے جنگل
گویا حیرت بدوش ہے جنگل

روشنی چرخ کے کناروں کی
بن گئی شمع لالہ زاروں کی

ایک سادھو درخت کے نیچے
بانٹتا ہے ہواؤں کو نغمے

زخم پرور ستار کی آواز — کر رہی ہے فضاؤں میں پرواز
ایسا محسوس ہو رہا ہے مجھے — جیسے کوئی بھگو رہا ہے مجھے
صبح جس طرح انجمستاں میں — ہچکیاں جیسے یادِ جاناں میں
جیسے مغموم دوست کی آواز — جسم سے روح جب کرے پرواز
جیسے کالی گھٹا سے بارش کا — منہ اندھیرے خفیف سا چھینٹا
جیسے وقتِ سحر پسِ ماتم — تھرتھراتی اذان کا عالم
جیسے وہ مست و بیخبر راتیں — جن میں چھپ چھپ کے ہوں ملاقاتیں
جیسے افلاس میں بروزِ عید — غیر ملکوں میں ہم وطن کی دید
حسنِ برسات کا ہے یہ آواز — راگ سے جاگتا ہے دل کا ساز

کاش اس وقت جاں نکل جائے
خواب تعبیر سے بدل جائے

جھوٹی پریت

جگ کی جھوٹی پریت ہے لوگو جگ کی جھوٹی پریت

پاپن نگری کالی نگری

دھرم دیا سے خالی نگری

پاپ سے پلنے والی نگری پاپ یہاں کی ریت

فانی ہے یہ دنیا فانی

اُٹھتی موجیں بہتا پانی

چھوڑ بھی اس کی رام کہانی کس کی ہوئی یہ میت

موہ کے دن ہیں دکھ کی راتیں

زر کے پھندے پاپ کی گھاتیں

پریم کے رس سے خالی باتیں ہار یہاں کی جیت

جگ کی جھوٹی پریت ہے لوگو جگ کی جھوٹی پریت

مُغنّیہ

احساں میں حیراں ہوں کہ یہ پیکرِ تنویر
بہزاد کی تخلیق ہے یا صنعتِ مانی

یہ عارضِ گلرنگ یہ مچلے ہوئے گیسو
آنکھوں سے برستی ہوئی صہبائے جوانی

یہ اوٹ میں آنچل کی تڑپتے ہوئے جوڑے
افسانۂ خورشید ستاروں کی زبانی

یہ سینۂ سیمیں یہ جھلکتے ہوئے بازو
یہ حسن کے سنگم پہ بکھرتا ہوا پانی

ہر تارِ نفس بربطِ زہرہ کا ترانہ
ہر موجِ نظر موجۂ صہبا کی روانی

جھرمٹ میں سے پلکوں کے یہ چھنتی ہوئی مستی
گنگا کے کناروں پہ چھلکتا ہوا پانی،

اُس چشمِ سخن ساز کے مستانہ اشارے
برسات کی راتوں میں محبّت کی کہانی

معراجِ صنم سازی و تکمیلِ ترنّم،
نقّاش کا اعجاز تو شاعر کی جوانی

گفتار میں وہ رنگ کہ سرشار سماعت
رفتار وہ سرمست کہ بہتا ہوا پانی،

احساںؔ خوشا وقت کہ دل دیکھ رہا ہے
انسان کی تصویر میں فطرت کی جوانی



یتیم

ایک بچہ جس کا والد کر چکا تھا انتقال
گھر سے یوں روتا ہوا نکلا بصد رنج و ملال

لرزہ بر اندام، دل بریاں، کلیجہ پاش پاش
دیدۂ پُرنم میں سیمیں آنسوؤں کا ارتعاش

فرطِ غم سے درہم و برہم جہانِ عقل و ہوش
گفتگو میں خوں شدہ موسیقیٔ بزمِ سروش

نشترِ چرخِ ستم پرور کی پہلو میں کسک
آنسوؤں میں عارضِ حورِ بہشتی کی جھلک

جسم میں رعشہ، جگر میں درد، سینے میں گداز
رحمتِ یزداں کی جولانگاہ سیمائے نیاز

درد سے چمکا ہوا آئینۂ حسنِ ضمیر
چاند سے رخسار پر اشکوں کی بھیگی سی لکیر

رنج سے آشفتہ حال آشفتہ دل آشفتہ سر
لوحِ پیشانی پہ تصویرِ یتیمی جلوہ گر

سوزشِ اندوہ سے اترا ہوا سیمیں عذار
دیدۂ گریاں میں دردانگیز نظریں بیقرار

یہ ہوا محسوس اب عالم ہوا زیر و زبر
تھی غرورِ آسماں کی پائے لرزاں پر نظر

دی ندا دل نے نہیں یہ موقعِ چون و چرا
کیا سفینے کو ڈبو دیتا ہے کوئی ناخدا

جب بڑھاتا ہے خدائے دوجہاں شانِ یتیم
تولتا ہے صبر کے کانٹے پہ ایمانِ یتیم

یادِ ماضی

احسانؔ وہ دن یاد آتے ہیں جب کیف تھا حاصل جینے میں
آنکھوں میں تبسّم رقصاں تھا ارمان بھرے تھے سینے میں

جب صبح کو چڑیاں آتی تھیں شاخوں پہ ترانہ خوانی کو
مدہوش ہوائیں چھوتی تھیں لہرا کے مری پیشانی کو

خوشبوئے محبت اُڑتی تھی پھولوں کے حسیں پیمانوں سے
مستانہ ہوائیں آتی تھیں تقدیس کے بادہ خانوں سے

جب رات کو یاد آجاتی تھی قدرت کے تجلّی زاروں کی
تخئیل مچلتی پھرتی تھی تنویر پہ ہنستے تاروں کی

اک کیف کی دُنیا ساتھ لئے ہر نیند کا جھونکا آتا تھا
جب نیم کی لرزاں شاخوں سے مہتاب جبیں چمکاتا تھا

تاروں کی تڑپتی کرنوں میں جب تارِ نظر جا ملتے تھے
احساس کے بیخود گلشن میں زر کار شگوفے کھلتے تھے
سردی کی سہانی راتوں میں جب کافر دنیا سوتی تھی
نغماتِ ربابِ فطرت سے معمور سماعت ہوتی تھی
ان نور بھرے نظاروں میں ہر روز یونہی سوجاتا تھا
تنویر کے در کھل جاتے تھے تنویر میں گم ہو جاتا تھا



فریبِ وفا

بزمِ نظر میں اب وہ نگارِ حسیں کہاں
حُسنِ نیاتِ جلوۂ روئے مبیں کہاں
زیبِ کنارِ اُف وہ تصوّر نشیں کہاں
لیکن ابھی اسیرِ فریبِ وفا ہوں میں

وہ دل کو آئینہ سا دکھا کر چلے گئے
نظروں سے برق گرم گرا کر چلے گئے
اک حشرِ آتشیں کو جگا کر چلے گئے
لیکن ابھی اسیرِ فریبِ وفا ہوں میں

دل سے بھلا چکا مجھے وہ شہریارِ دل
تسکینِ روح، جانِ امید و قرارِ دل

لے دے کے یادِ دل ہے فقط یادگارِ دل
لیکن ابھی اسیرِ فریبِ وفا ہوں میں

ٹھکرا چکے وہ میری نگاہوں کی التجا
خلوت کی صحنِ باغ کی راہوں کی التجا
تقریر کی سکوت کی آہوں کی التجا
لیکن ابھی اسیرِ فریبِ وفا ہوں میں

احساں وہ بزمِ شاہدِ طنّاز اب کہاں
تسکیں نوازِ حسنِ فسوں ساز اب کہاں
میں خاک اور وہ جلوۂ ممتاز اب کہاں
لیکن ابھی اسیرِ فریبِ وفا ہوں میں

کیفِ چمن

ہے تنگ جامۂ ہستی میں آج دیوانہ
بہار آئی ہے بھولا خزاں کا افسانہ

شبیہِ دوست جھلکتی ہے ذرّے ذرّے میں
بسا ہوا ہے نگاہوں میں حُسنِ جانانہ

تھرک رہے ہیں فضاؤں میں جانفزا نغمے
برس رہا ہے بہشتوں سے کیفِ مستانہ

چمن پہ کھول دیئے برشگال نے گیسو
کلی خوشی سے چٹک کر بنی ہے پیمانہ

یہ کیف بار ہواؤں پہ تیر گوں بادل
نظر میں رقص کناں ہے جہانِ میخانہ

دلوں میں کروٹیں لینے لگی ہوائے نشاط
فضا پہ چھائی ہوئی ہے بہارِ میخانہ
تڑپ رہا ہے نگاہوں میں جلوۂ ساقی
برس رہا ہے جبینوں سے جوشِ رندانہ

ہے دلفریب لچک نرم نرم شاخوں میں
ہے کونپلوں سے عیاں جلوۂ عروسانہ
چھلک رہے ہیں ہواؤں میں ساتگینِ سرور
سنک رہی ہے گلوں میں نسیمِ مستانہ

ڈھلی ہوئی ہے نظر لغزشوں کے سانچے میں
لرز رہی ہے لبوں پر حدیثِ پیمانہ
مچل رہی ہے فضاؤں کی گود میں مستی
اُمنڈ رہا ہے تخیّل پہ جذبِ رندانہ

ہیں تمتماتے ہوئے سے گلوں کے رخسارے
برس رہا ہے چمن میں جمالِ جانانہ
تصوّرات کی دنیا پہ برق رقصاں ہے
تجلّیات کا مخزن ہے دل کا ویرانہ
سکوت زارِ تحیّر میں کھو گیا ہوں میں
فضا کو دیکھ کے دیوانہ ہو گیا ہوں میں



روحِ بیاباں

اے ہم نشیں سناؤں تجھے کیا کہ رات بھر
آتے رہے وہ یاد سلگتا رہا جگر

جب ہو چکا عروجِ شبِ تار کامیاب
جھلکا افق پہ پرتوِ قندیلِ آفتاب

میں اٹھ کے گھر سے جانبِ صحرا ہوا رواں
ترتیب دے رہا تھا تخیّل کو آسماں

مغرب کی وادیوں پہ قمر تھا جھکا ہوا
لہرا رہا تھا رات کا دریا رُکا ہوا

جھپکا رہا تھا چشمِ ضیا ریز و دلنشیں
گردوں پہ کوئی کوئی ستارا کہیں کہیں

سنولا چلے تھے رات کے تاریک بام و در
شب کی سیاہیوں میں ضیا بار تھی سحر
گرما رہے تھے روح کو جھونکے نسیم کے
چشمے اُبل رہے تھے فضا میں شمیم کے
پھُولوں میں دلکشی تھی تو کانٹوں میں شان تھی
نورستہ کونپلوں کی لکیروں میں جان تھی
نظریں مچل رہی تھیں گلوں کے لباس پر
شبنم اُتر رہی تھی فضاؤں سے گھاس پر
حُسنِ خیال فکرِ دو عالم سے دُور تھا
آنکھوں میں نور دل کی رگوں میں سرور تھا
دوڑی ہوئی تھیں نشے کی لہریں دماغ میں
دل محو ہو رہا تھا کسی کے سراغ میں

مشرق میں ضَو فروش تھے انوارِ آفتاب
ڈالے حریرِ سُرخ کا باریک سا نقاب

ذرّے تھے غرقِ جلوۂ عالم پناہ میں
سجدے اُمڈ رہے تھے جبینِ نگاہ میں

رستے کے پاس نہر کے پُل سے ذرا پرے
اک نازنیں کھڑی تھی کنارے پہ کھیت کے

آئینہ جبیں میں تجلائے آبرو
خورشید کی خمیدہ شعاعوں سے دوبدو

عارض پہ عکسِ موجِ تبسّم کی سرخیاں
سوزِ نظر میں جذبۂ عفّت کی گرمیاں

سُوئے زمیں تھے دیدۂ میگوں جھکے ہوئے
سیّال میکدے تھے فضا میں رُکے ہوئے

تھا اک سکوت محشرِ حسن و جمال میں
ڈوبی ہوئی تھی وہ کسی گہرے خیال میں
ایمن میں برقِ طور کو شوقِ کلیم تھا
صحرا میں اختلاطِ نسیم و شمیم تھا
اٹھی مری طرف جو وہ کھوئی ہوئی نظر
جھجکی جھجک کے آہ بھری پھر بچشمِ تر
جلدی جگر میں غم کے شرارے لئے ہوئے
پلکوں میں بیقرار ستارے لئے ہوئے
بجلی چمک گئی دلِ حیرت اساس میں
بھر آئے اشک دیدۂ رقت شناس میں

مطالعۂ حیات

صبحدم دریائے راوی پر ہوا میرا گذر
سامنے ساحل پہ جلتی نعش اک آئی نظر

چشمِ عبرت کھل گئی غفلت کو ہوش آنے لگا
سازِ دل پر موت کا نغمہ کوئی گانے لگا

دل یہ بولا، آرزوئیں کس لئے بیتاب ہیں
آنکھ جھپکی اور یہ فردوسی مناظر خواب ہیں

زندگی اک ساز سے نکلی ہوئی آواز ہے
دام سے چھوٹے ہوئے شہباز کی پرواز ہے

فرصتِ ہستی ہے کیا اے بزمِ عشرت کے زعیم
جس طرح آکر گلستاں سے گذر جائے نسیم

ہو نہ سرگرمِ نوا اے دامِ دنیا کے شکار
ہے یہ پیغامِ خزاں سمجھا ہے تو جس کو بہار

تابکے گلرنگ پیشانی کی یہ تابندگی
ڈوبتے سورج کی رنگیں روشنی ہے زندگی

ہوشیار اے جاں نثارِ حسنِ فانی ہوشیار!
بادلوں کے چلتے پھرتے سائے کا کیا اعتبار

یہ ہوا کے دوش پر ذرّوں کا سیمیں کارواں
ہے نگاہوں کی اُفق پر چشمکِ برقِ طپاں

دم زدن میں عمر کا وقفہ گذر جانے کو ہے
چڑھ کے یہ سیماب کا دریا اُتر جانے کو ہے

زعمِ ہستی کس لئے ناداں خطا کھاتا ہے تو
خواب کے سیلابِ زرّیں میں بہا جاتا ہے تو

زندگی کیا اک فریبِ جلوۂ فانی ہے یہ
ہم تو سب موجیں ہیں اور بہتا ہوا پانی ہے یہ

داغِ جاوداں

ایک عزیز کے انتقال پر

یہ جانتا ہوں کہ آج دنیا میں کوئی شے دلنشیں نہیں ہے
فضا پہ حسرت برس رہی ہے صبا حیات آفریں نہیں ہے
فلک پہ ماہ مبیں میں پہلی سی شانِ ماہِ مبیں نہیں ہے
چمن کا حسنِ جمیل لبریز نکہتِ عنبریں نہیں ہے
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

مری نگاہوں میں بزمِ فطرت سیاہ جامہ بدل رہی ہے

جہانِ فانی کے ذرّے ذرّے سے آہِ سوزاں نکل رہی ہے
بہار کا ابتسام گم ہے خزاں کی چتون مچل رہی ہے
غرض یہ عشرت طرازِ محفل فنا کے سانچے میں ڈھل رہی ہے
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

حیاتِ زرّیں کے گیسوؤں کو جنوں میں برہم بھی کر چکا ہوں
تمام شب رو کے پیرویٔ شعارِ شبنم بھی کر چکا ہوں
سرِ تکبر کو بے ثباتی کے سامنے خم بھی کر چکا ہوں
میں تیرے ماتم کے ساتھ ہی گرچہ اپنا ماتم بھی کر چکا ہوں
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

رہینِ اندوہ کر چکا ہوں میں آرزو کا نگار خانہ
ہوا نہ مقبولِ بے نیازی دعا و اندازِ عاجزانہ
کچل چکی ہے دل و جگر کو فلک کی رفتارِ کجروانہ

سحر کے تارے سے کہہ چکا ہوں لُٹی ہوئی رات کا فسانہ
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

تو میرے خوابیدہ آنسوؤں کو رُلانے والے جگا چکا ہے
مجھے تو خاموشیوں کے پردے میں لن ترانی سُنا چکا ہے
مری امیدوں کی انجمن میں مآل پردہ اٹھا چکا ہے
زمیں کے تاروں سے ایک تارا فلک کے تاروں میں جا چکا ہے
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

تصویرِ شام[1]

سُن اے مُرلی منوہر جانِ جاں تصویرِ زیبائی
مجھے بھی ہے بڑی مدت سے شوقِ کاکل آرائی

تیری بنسی کی تانیں مضطرب بھگتوں کے سینوں میں
تیرے رُخ سے ضیا پاشی دلوں کے آبگینوں میں

تیری تابانیاں ہیں صبح کے تابندہ اختر میں
تیری شبرنگیاں ہیں شام کی زلفِ معنبر میں

ترے داغِ سیہ سے سرخرو گلشن میں لالہ ہے
ترے ذکرِ حسیں سے بزمِ باطن میں اُجالا ہے

جھلکتی ہیں تری رنگیں ادائیں مرغزاروں میں
ترا پرتو اندھیری وادیوں میں کوہساروں میں

[1] سری کرشن چندر

ترے درشن سے اب بھی گڑیاں سرشار رہتی ہیں
تصور کورنش رہتی ہیں تبسم کار رہتی ہیں
تو وہ شے ہے زمانہ تجھ سے غافل ہو نہیں سکتا
تو وہ دولت ہے تجھ کو قلبِ فطرت کھو نہیں سکتا

کمسن لڑکی

یہ سادگی کے نقوشِ خنداں یہ بھولا بھالا عذار سیمیں
یہ والدہ کے جگر کا ٹکڑا یہ نور دیدہ نگار سیمیں
گھنیری شاخوں کی تیرگی میں کوئی کلی مسکرا رہی ہے
کہ محفلِ آرزو میں فطرت چراغِ نغمہ جلا رہی ہے
رُخِ حسیں پر پریدہ گیسو ادا سے کروٹ بدل رہے ہیں
جمائی لیتی ہوئی کلی پر سیاہ بھونرے مچل رہے ہیں

حیا ہے خوابیدہ روح شاداں نظر میں شوخی مچل رہی ہے
سحر کے دامن میں سبز ٹہنی سفید کونپل اُگل رہی ہے

تڑپ رہا ہے سحر کا تارا غنودہ گلشن کے بانکپن پر
کہ شامِ رنگیں کے جھٹپٹے میں حسین تتلی ہے یاسمن پر

ادائے معصومیت کے صدقے کچھ اس طرح مسکرا رہی ہے
کہ غم کی سوز آفرینیوں میں نشاط پرچم اُڑا رہی ہے

رکھے ہیں سینے پہ ہاتھ دونوں یہ جذبِ عفت کا جوش دیکھو
یہ جان دیکھو، یہ شرم دیکھو، یہ عمر دیکھو، یہ ہوش دیکھو



الارنس باغ کی ایک سحر

کہاں ہے ساقیا پلا کہ عالم شباب ہے
جوان ہر اُمنگ ہے گھرا ہوا سحاب ہے
اگر یہ خواب ہے تو دیکھ کیا عجیب خواب ہے!

نہ دن ہے اور نہ رات ہے عجیب کیف زا سماں
یہ کیفیت کی بارشیں یہ بھیگی بھیگی بتیاں
ضرور گلستاں میں آج کوئی بے نقاب ہے

وہ آسماں پہ سوئے شرق نور سا بکھر چلا
گلوں نے آنکھ کھول دی زمانہ کچھ نکھر چلا
ستارے جھلملا رہے ہیں ماند ماہتاب ہے

وہ غنچہ مسکرا دیا وہ دیکھ پھول ہنس پڑا

ہوائے مست چل رہی ہے ساقیا ۔ پلا ۔ پلا
یہ مجھ کو مایۂ حیات ساغرِ شراب ہے

روش روش پہ باغ کی امنڈ رہی ہیں مستیاں
فضاؤں میں بسی ہوئی ہیں بیخودی کی بستیاں
قدم قدم پہ ہر طرف لنڈھی ہوئی شراب ہے

بہار کروٹیں بدل رہی ہے سبزہ زار میں
لرز رہے ہیں نغمہ ہائے شوق جوئبار میں
ہر ایک جلوۂ نہاں رہینِ اضطراب ہے

نسیم پھر رہی ہے باغ میں گہر بکھیرتی
شعاعِ مہر رقص میں ہے سیم و زر بکھیرتی
ہر ایک ذرۂ چمن حریفِ آفتاب ہے

ہیں آسماں پہ سُرخ سُرخ بادلوں کی دھاریاں

لطیف اعضا میں جوش بن بن کے جب سما جائیگی جوانی
فلک سے زربار چاندنی کے لباس میں آئے گی جوانی
امید کے قافلے کو لیکر خیال کوسوں بڑھے ہوئے ہیں
مگر پس پردۂ مسرت قضا کے تیور چڑھے ہوئے ہیں



عروسِ نو کی صبحِ اوّلین

دیدۂ عبرت سے یہ بزمِ حزیں دیکھے کوئی
اس عروسِ نو کی صبحِ اوّلیں دیکھے کوئی

شوق کی لُوٹی ہوئی حسرت کی تڑپائی ہوئی
آ رہی ہے خلوتِ رنگیں سے شرمائی ہوئی

رُخ پہ رنگِ ماتمِ معصومیت چھایا ہوا
جیسے کوئی پھول ہو گرمی سے مرجھایا ہوا

منفعل انجام پر ذوقِ نہانی کا غرور
پانی پانی شرم سے اٹھتی جوانی کا غرور

ملگجی آنکھوں سے کچھ آزردگی سی آشکار
حسرتوں میں شرمساری نازشوں میں انکسار

کہہ رہی ہیں نیند میں ڈوبی ہوئی انگڑائیاں
وقت کی روندی ہوئی رنگینیوں کی داستاں

شام تک تھی جس میں امیدوں کی دنیا بیقرار
اب وہ سینہ ہے عروسانہ امنگوں کا مزار

جن نگاہوں میں تھا کل شرم و حیا کا ازدحام
اب انہیں سے ہے عیاں دوشیزگی کا اختتام

رات تک جس میں جھلکتی تھی ضیائے نوبہار
اب اسی ماتھے سے ہے رنگِ ندامت آشکار

بے طرح محسوس کرتا ہے دلِ ارماں پرست
آرزوؤں کی پشیمانی نزاکت کی شکست

دید کے قابل ہے متوالی جوانی کی امنگ
یہ الجھی زلفیں یہ باسی ہار یہ چہرے کا رنگ

جو گلستاں رشکِ جنت تھا نظر کے سامنے
اب ہے ویراں دیدۂ معنی نگر کے سامنے

آہ اب دُنیا میں دُنیا دار ہو جائے گی یہ
ساری کیفیتوں کی ہنگامی میں کھو جائے گی یہ

ہر نظر موجِ تمنائے طرب بن جائے گی
ہر ادا آئینہ آرائے طرب بن جائے گی

گُدگُدائیں گے اسے دن رات پیکانِ نشاط
حسرتِ زر، خواہشِ اولاد، ارمانِ نشاط

اس کی ہر تدبیر ہوگی کار فرمائے ہوس
اس کی ہر اک سانس میں ہو گا تقاضائے ہوس

تابکے آخر تمنا سے حجاب اُٹھ جائے گا
اس کا دل احساں دلِ شیوں سے اکتا جائیگا

کتا اور مزدور

بامِ مشرق پر تجلی جلوہ گر ہونے کو تھی
صبح کی تابندگی تابندہ تر ہونے کو تھی

آ رہی تھی موسمِ سرما کے جوبن پر بہار
نرم رو ٹھنڈی ہوائیں تھی خنک خنجر کی دھار

مردنی سی چھا رہی تھی راستوں کی خاک پر
منتشر تھیں برف کی ڈلیاں خس و خاشاک پر

بلبلیں خاموش تھیں پیندو رسا کھائے ہوئے
پتیاں اینٹھی ہوئی تھیں پھول مرجھائے ہوئے

سرمئی کہرے سے جنگل کی فضا آباد تھی
شدتِ سرما تھی یا اک حشر کی بنیاد تھی

کر چکا تھا بھاپ کی صورت تنفّس اختیار
سر اُٹھا سکتا نہ تھا ویران راہوں کا غبار

زعمِ سرمایہ کے بیخود نشۂ دولت کے مست
لے رہے تھے خوابِ راحت کرّۂ دنیا پرست

حسبِ عادت جا رہا تھا میں پئے سیرِ چمن
بیخودی کی شمع سے روشن تھی دل کی انجمن

(۲)

کتّا اک کوٹھی کے دروازے پہ بھونکا یک بیک
رُوئی کی گدّی تھی جس کی پشت سے گردن تلک

راستے کی سمت سینہ بے خطر تانے ہوئے
لپکا اک مزدور پر وہ صید گردانے ہوئے

جو یقیناً شکرِ خالق کا ادا کرتا ہوا

سر جھکائے جا رہا تھا سسکیاں بھرتا ہوا
پاؤں ننگے پھاوڑا کاندھے پہ یہ حالِ تباہ
انگلیاں ٹھٹھری ہوئی دھندلی فضاؤں نیز نگاہ
جسم پر بے آستیں میلا، پُرانا سا لباس
پنڈلیوں پر نیلی نیلی سی رگیں چہرہ اُداس
خوف سے بھاگا بچارا ٹھوکریں کھاتا ہوا
سنگدل زردار کے کتّے سے تھرّاتا ہوا

(۳)

کیا یہ اک دھبّا نہیں ہندوستاں کی شان پر
یہ مصیبت اور خدا کے لاڈلے انسان پر
کیا ہے اس دارالمحن میں آدمیّت کا وقار
جب ہے اک مزدور سے بہتر سگِ سرمایہ دار

ایک وہ ہیں جن کی راتیں ہیں گناہوں کیلئے
ایک وہ ہیں جن پہ شب آتی ہے آہوں کیلئے

ایک وہ ہیں جنکے ایوانوں میں جلتے ہیں چراغ
ایک وہ ہیں جنکے سینوں میں ہیں بے مہری کے داغ

ایک وہ ہیں جن کے لب ہیں افترا کے واسطے
ایک وہ جن کی زباں حمدِ خدا کے واسطے

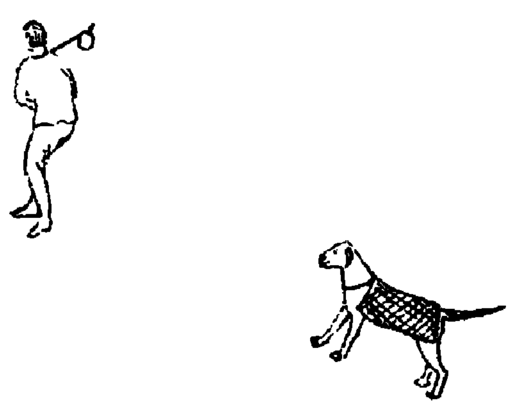
ایک وہ سینے میں جن کے شعلۂ ایماں ہے سرد
ایک وہ جن کے دلوں میں پرورش پاتا ہے درد

ایک وہ جو رات دن رہتے ہیں محوِ نائو نوش
ایک وہ جو بے زباں فاقے سے رہتے ہیں خموش

(۴)

ہیں مگر سب ناز و نعمت سر کشوں کے واسطے

بے نیازی اُف غریبوں بے بسوں کیواسطے
ہوشیار اے دشمنِ مزدورِ دُنیا ہوشیار!!
بیکسوں کے حال سے غافل نہیں پروردگار
فاقہ مستوں کی دعائیں عرش پر جانے کو ہیں
بجلیاں گرنے کو ہیں اور زلزلے آنے کو ہیں



ساون رین

پپیہا بولت ہے اُس پار

پریت کرن کی ریت نہ جانی
ہائے پیا نے کی من مانی
نینن ترسیں برسے پانی

سووت ہے سنسار۔ پپیہا......

ساون آیا اُپ بن پھولے
باگن میں لہرائے جھولے
وہ کیا جھ پاپن کو بھولے

بھول گیا سنسار۔ پپیہا......

بجلی برچھی چمکاتی ہے

نینن سے نیند اُڑ جاتی ہے
پھکی پر پھکی آتی ہے
آئے نہیں بھرتار - پیپہا بولت ہے اُس پار

امیر ملک کے فقیر باشندے

ٹرین سے شمالی کی منڈی پر ایک طائرانہ نظر

سردی کے نکلتے موسم میں اللہ رے پھبن بازاروں کی
ہر سمت سے جگمگ کرتی ہیں دوکانیں ساہوکاروں کی
ہیں ڈھیر ہزاروں گندم کے شکر کے تلوں کے چینی کے
آثار نمایاں ہر شے سے خالق کی کرم آئینی کے
جھکڑوں میں نرالی جنس بھرے دیہات کے باشی آتے ہیں
کچھ ہوش کی باتیں کرتے ہیں کچھ خوف سے سہٹ جاتے ہیں

چہروں پہ صداقت رقصاں ہے معصوم جبینیں تاباں ہیں،
یہ لوگ وفا کے پتلے ہیں فطرت کے دُلارے انساں ہیں
میں اس طوفانِ طلائی میں جس سمت نظر دوڑاتا ہوں،
کثرت سے یہاں انسانوں کو مصروفِ گدائی پاتا ہوں
اس صف میں ضعیف العمر بھی ہیں کمزور بھی ہیں لاچار بھی ہیں
مجروحِ الم نوخیز بھی ہیں پامالِ فلک خوددار بھی ہیں
اندوہ سے سُرخی آنکھوں میں افلاس کا غم پیشانی پر
دن اہلِ دوَل کی منت میں راتوں کو گذارا پانی پر
پلکوں کے تلے کچھ سایہ سا ابرو پہ غبارِ راہ بھی ہے
ہر گام پہ آہِ سرد بھی ہے ہر سانس پہ اُف اللہ بھی ہے
مٹّی کی تہیں رخساروں پر کشکولِ گدائی ہاتھوں میں
اک دردِ سانا دم لہجوں میں اک ہُوک سی غمگیں باتوں میں

افراط ہے سیمیں سکّوں کی سنگین جگر زرداروں میں
فریاد کے ٹھنڈے تیروں کی پرواز ہے گُم جھنکاروں میں
دل سوزِ الم سے جلتا ہے لبریز لہو سے سینا ہے
اس ملک میں رہنے والوں کا یہ مرنا ہے یا جینا ہے

(۲)

وہ ملک جہاں برساتوں میں امرت کی پھواریں پڑتی ہوں
وہ ملک جہاں کے ذرّوں کی خورشید سے آنکھیں لڑتی ہوں
وہ ملک ہوں جس پر بنیادیں عالم کے تجلّی خانوں کی
وہ ملک نگاہیں جس پہ ہوں شمشیر بکف سلطانوں کی
وہ ملک جہاں زر برسائیں رنگین گھٹائیں گردوں سے
وہ ملک جہاں ضو پھیلائیں زرتار شعاعیں گردوں سے
وہ ملک جہاں گلزاروں میں اٹھلا کے ہوائیں چلتی ہوں

وہ ملک جہاں میدانوں میں جنت کی بہاریں پلتی ہوں
وہ ملک جو اکثر ملکوں کی اقوام کا پالن ہار بھی ہو
افسوس وہاں کے لوگوں پر افلاس بھی ہو ادبار بھی ہو

نالۂ سکوت

ایک عزیز کی گمشدگی پر

تپ غم سے احساں جگر جل رہا ہے
یہ محسوس ہوتا ہے گھر جل رہا ہے

نہیں گرچہ کچھ فرق نظم جہاں میں
تبسم بدستور ہے گلستاں میں

ستاروں کی رخشندگی بھی وہی ہے
مہ و خور کی تابندگی بھی وہی ہے

مگر اے مری آنکھ سے چھُپنے والے
جگت سے انوکھے جہاں سے نرالے

انیسِ اُمید و خلیلِ تمنّا
تڑپتا ہے تیرا قتیلِ تمنّا

ہے تجھ بن نگاہوں میں تاریک عالم
طرب خیز نغموں میں ہے شورِ ماتم

جمالِ فلک ہے نہ حُسنِ زمیں ہے
اگر تو نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے



غمِ ارشد

رخصت ہے ہمیشہ کے لئے بزم سے ارشد
تاریک ہے آنکھوں میں دو عالم کا نظارا

اے ہستیٔ فانی تری بیتاب تجلّی
دامانِ سحر میں ہے لرزتا ہوا تارا

وابستۂ طغیانِ الم ہیں ترے نغمے
ہر اہلِ نظر کو تری تزئین نے مارا

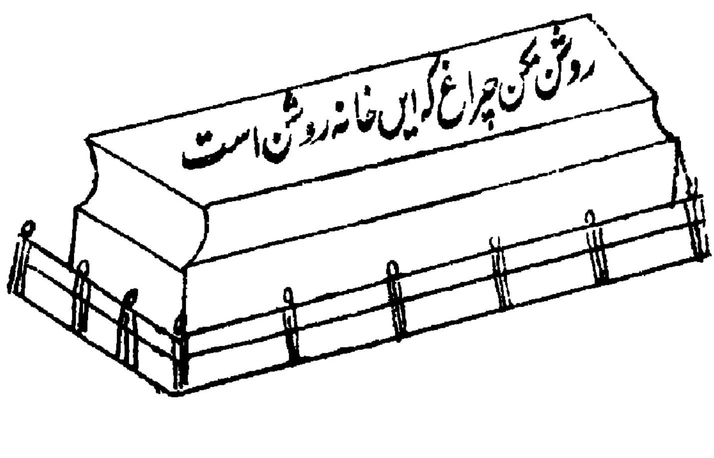
آشفتۂ ظلمت ہے چراغانِ تنفس
جیسے شبِ یلدا میں ہوا ئونپہ شرارا

یہ عمر یہ دیوانی جوانی کا تبسم
ہے دشت میں سہمے ہوئے آہو کا ترارا

پرواز ہی پرواز ہے یہ جسلوۂ فانی
خورشید کی آنکھوں میں سماتا ہوا پارا

پاتا نہیں وسعت یہ مگر چشم یقیں میں
نیرنگ نظر خواب بہاریں کا نظارا

ہم فرقت احباب کے تڑپائے ہوئے ہیں
اے کاش قضا آئے ادھر کو بھی قضارا



چاند بی بی [1]

تو ہے تصویرِ وفا اے پیکرِ عزّ و وقار — انتخابِ روزگار
ماہرِ نبضِ قلم دلدادۂ نقش و نگار — شہرتابِ شہریار
تیرے گیتوں سے دکن کی سرزمیں معمور ہے — بیخود و مخمور ہے
تجھ سے قائم طبقۂ نسواں کا زعم و اقتدار — تو ہے دُرِّ شاہوار
آج تک احمد نگر کا ذرّہ ذرّہ ہے گواہ — گو ہے پامال و تباہ
کانپتی ہے نام سے تیرے زمینِ کارزار — بلکہ برقِ بیقرار
کارناموں سے ترے تاریخ کا دلشاد ہے — شاد ہے آباد ہے
تیری شوکت تیرے زرّیں تذکرے سے آشکار — اُف رے عزمِ استوار
بیلچہ اور تیرے دستِ نازنیں پچھلے پہر — دل میں الفت کی ثمر
کس طرح ہوتی نہ پھر تو کامیابِ کارزار — سربلند و کامگار

فوج پر مغرور تھا یہی مرادِ تُند خُو — بندۂ جام و سبو
تیری ہمت کی حمایت پر رہا پروردگار — حاکمِ رحمت شعار
تیرے افسانے ہیں قلبِ زندگی میں موجزن — اے نرالے صف شکن
تیرے دل میں عدل کی تنویر آنکھوں میں شرار — بانوئے سلطان شکار

---

[1] چاند بی بی احمد نگر کی ملکہ تھی۔ اس کی بہادری اور اسلامی روح نے اس کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔ اس نے شہزادہ مراد کو شکست فاش دی اور لڑائی میں فصیل ٹوٹ جانے پر پیچھے لیکر مزدوروں کے ساتھ خود یہ کام کیا جس سے سپاہیوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور صبح ہونے سے پہلے فصیل تیار ہو گئی۔

پیامِ بیخودی

جلوۂ حسنِ معانی سے الٹتی ہے نقاب
روح پر طاری فسونِ بیخودی ہونیکو ہے

ہے نہاں اُمڈی ہوئی راتوں کے دل میں آفتاب
تیرگی سے رونما تابندگی ہونے کو ہے

باعثِ تخریبِ محفل ہوگی تکمیلِ نشاط
زمزمے کی لہر دردِ زندگی ہونے کو ہے

آنسوؤں کی ہوگی انوارِ تبسم سے نمود
دل کا اطمینان صرف بیکسی ہونے کو ہے

گفتگو میں کروٹیں لیتا ہے ارمانِ سکوت
نالۂ ناقوس آہِ خامشی ہونے کو ہے

آئینہ میں روح کے پڑنے کو ہی عکس مآل
ذوقِ عصیاں بڑھ کے شوقِ بندگی ہونیکو ہے

ہے قدم زن ہر مسافر قطع منزل کے لئے
موت کا ساحل غریقِ زندگی ہونے کو ہے

زمزمے نالوں میں اور نغمات میں فریاد دیکھ
آنکھ رکھتا ہے تو رنگِ جلوۂ ضداد دیکھ،



صبحِ بیاباں

بیاباں میں وقتِ سحر ہو رہا ہے
ہر اک کھیت شبنم سے تر ہو رہا ہے

شوالے کا زرّیں کلس جگمگایا
برہمن نے ناقوس منہ سے لگایا

وہ سورج کی کرنوں سے ہے زرنگاری
ہری کھیتیوں پر مسرّت ہے طاری

یہ گیلی زمیں نازنیں بیل بوٹے
یہ ٹھنڈی ہوائیں حسیں بیل بوٹے

ترائی کا یہ رشکِ گلزار جنگل
یہ چڑیوں کے نغموں سے سرشار جنگل

کسان ایسے انداز سے گا رہے ہیں
درختوں میں نغمات لہرا رہے ہیں

یہ تالاب کا روح پرور کنارا
یہ فطرت کے خود رو چمن کا نظارا

یہ شفاف پانی میں لہریں ہوا سے
نظر آشنا رزشِ دل رُبا سے

حسیں بطخیں تیرتی پھر رہی ہیں
مرے دل کو مسحور سا کر رہی ہیں

پرندے ہیں مصروف حمد خدا میں
تبسم سا دوڑا ہوا ہے فضا میں

مجھے جب یہ دن یاد آیا کرے گا
تو خلوت میں پہروں رلایا کرے گا

متاعِ حجاب

حجاب کس نے کہا ہے تجھے حجاب نہ کر
دلِ حزیں پہ یہ الطافِ بے حساب نہ کر

ابھی سے اذنِ تماشا نہ دے تجلّی کو
ٹھہر ٹھہر ابھی تکمیلِ اضطراب نہ کر

مری نظر کو ابھی ہوشِ دید رہنے دے
ہر ایک ذرّۂ عالم کو بے نقاب نہ کر

مری تڑپ کو تری پردہ داریاں منظور
نگاہِ شوق کو آزردۂ حجاب نہ کر

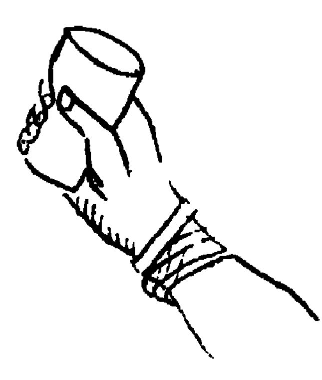
کسی کو شکوۂ ناقدریِ شباب نہیں
نہ کر نظر کو مری واقفِ شباب نہ کر

بلا سے شامِ بلا ہو یونہی رہے پردہ
غروب میری محبت کا آفتاب نہ کر

جو مجھ سے آنکھ ملاتا ہے تلملاتا ہے
اس اضطراب سے دنیا کو فیضیاب نہ کر

مری نگاہ کے نالوں کا کچھ جواب نہ دے
مجھے بلند نگاہوں میں لاجواب نہ کر

خرابِ چشمِ کرم ہوں بس اور جام نہ دے
خرابِ مستیٔ رنداں! مجھے خراب نہ کر



ہولی کی ساحرہ

ایک حسینہ بھولی بھالی
شوخی سے پُر عشق سے خالی

گورا مکھڑا کالے گیسو
چاند پہ جیسے ہالے گیسو

سانسوں میں مدہوش ترانے
باتوں میں مخمور فسانے

تیکھی چتون جانِ جوانی
الھڑ پن اعلانِ جوانی

زہد شکن جادوئے تبسّم
برق فشانی خوئے تبسّم

پیشانی پر نور کی لہریں
نور میں برقِ طور کی لہریں

رخساروں میں ہلکی سُرخی
ہاتھ لگا اور چھلکی سُرخی

خاموشی خوابیدہ جادُو
نظروں میں رقصیدہ جادُو

باہیں جیسے حُور کی گردن
نورانی بلّور کی گردن

ساری سبز گلابی چھینٹیں　　جانِ نظر عنابی چھینٹیں
دستِ حنائی میں پچکاری　　رنگ اُڑانے کی تیاری

متوالی رفتار قیامت　　چھاگل کی جھنکار قیامت
انگڑائی فوارۂ مستی　　ہوش میں اک نظارۂ مستی

پاس سے میرے ہو کر گذری　　تخمِ محبت بو کر گذری
ارماں چونکے حسرت جاگی　　آہیں تڑپیں وحشت جاگی

عشق نے پہلو کو گرمایا　　روح کو الفت نے برقایا
نالے سینے میں گھبرائے　　آنسو اُمڈے لب تھرائے

بزمِ جہاں کو عُریاں دیکھا
طور کا منظر رقصاں دیکھا

شہرِ حبیب

ہر ایک شے میں ہے اک حُسنِ سرمدی کی جھلک
نظر فریب ہی شہرِ حبیب کیا کہنا

یہ نارسائی قسمت کہ سر بہ خم ہے نظر
رسا ہوا ہے کہاں تک نصیب کیا کہنا،

بہا ہے راہِ محبت میں خونِ آدمی
یہ حادثاتِ عجیب و غریب کیا کہنا

مگر وہ پیکرِ نازش وہ راحتِ اُمید
نظر سے دُور ہے دل سے قریب کیا کہنا

اس خدا کے بھروسے پہ ناز تھا احساںؔ
صد آفتوں کا مآلِ عجیب کیا کہنا،

شام کی بنسری

برج باسیوں میں شام بنسری بجائے جا

مستیاں اُبل پڑیں،

مدھ بھری صداؤں سے

پریم رس برس پڑا

من چلی ہواؤں سے

مسکرا رہی ہے شام، شام مسکرائے جا۔ برج

گوپیوں کو سُدھ نہیں

مستیوں میں جوش ہے

راگ رنگ میں ہے غرق

رنگ مے فروش ہے

جھومتی ہی کائنات جھوم کر جھمائے جا۔ برج

سو گئی ہے من کی ہوک

راج بھاگ جاگ اٹھے

گرم ہیں لگن کے تار

پریم راگ جاگ اُٹھے

راگ سے جگائے جا، خواب سی جگائے جا

برج باسیوں میں شام بنسری بجائے جا



متھرا میں چاندنی رات

کھلی ہے چاندنی کہاں یہ وقتِ احتراز کا!
اُٹھا بھی ساقیا سبوئے شرابِ دلنواز کا!
ہو دل پہ جس سے انکشاف عقدہ ہائے راز کا

اُتر چکا عروسِ شام کا لباس ماتمی
لگی ہوئی ہے گلشنوں میں آبِ نور کی جھڑی
ہے ذرّہ ذرّہ آئینۂ جمالِ دلنواز کا

یہ پتلی نرم ٹہنیوں میں خم پڑے ہوئے ہیں کیا؟
ستارے پتیوں پہ اوس کے جڑے ہوئے ہیں کیا؟
مچل رہا ہے ذوقِ جستجو نظارہ باز کا

جہاں پہ ہے تنی ہوئی ردائے نورِ سر بسر

چڑھا ہوا ہے نقرئی غبار آسمان پر
کلی کلی پہ ہے گمان چشم نیم باز کا
سکوں نما دلوں سے کر رہی ہیں رم تسلّیاں
ہیں بھیگے بھیگے خار روئے حسن پہ مضطرب تجلّیاں
تڑپ اٹھا جبیں میں شوقِ سجدۂ نیاز کا
[illegible] رہا ہے گلشنوں سے نور پر نور سے
نگاہِ جستجو ہے بے حجاب ہم جہاں طور سے
ہے جلوہ روبرو کسی کے حسنِ ناز کا
شعاع ماہ کے ہر ایک تار میں ہے تھرتھری
فضاؤں میں ہے کیف پا رہی ہے بیخودی کی راگنی
ملا ہوا ہے سلسلہ نظر سے دل کے ساز کا
ہر ایک پھول پہ ہے محو رقص نقرئی کرن

زمیں سے اُڑ نہ جائے عرش پر گلوں کی انجمن
چمن میں بندھ گیا سماں کسی کی بزم ناز کا

رواں ہے کشتیِ نگاہ بحرِ سیماب میں
شراب نور موجزن ہے جام ماہتاب میں
ہے دور بزم باغ میں شرابِ خانہ ساز کا

سکوتِ جانفزا کی ہیں فضا میں حکمرانیاں
گلوں کی محفلوں پہ ہیں فلک سے زرفشانیاں
سماں ہے دلفریب تتلیوں کے خوابِ ناز کا

برس رہا ہے کیفِ جانفزا ہوا میں ہر طرف
ہے منتشر غبار سیمگوں فضا میں ہر طرف
حقیقتوں میں رنگ منتقل ہو امجاز کا

)(۵)(

غمِ فردا

ریا کے بندوں کی صورتوں پر نہ جائیں اہلِ خرد سے کہہ دو
کہ ان چراغوں کو مسکراتی سحر فنا کا پیام ہوگا

اگرچہ بکتے ہیں چند سکّوں پہ جملہ اعزازِ خاندانی
مگر یہ سیمیں سراب کب تک ذریعۂ احترام ہوگا

نسائیت کی ادا فروشی حیا کے بازو تراش دیگی
نئے زمانہ کا روزِ روشن گنہ کی تاریک شام ہوگا

ریا کی تاریکیاں دلوں کے جمال خانوں میں آبسیں گی
جگہ جگہ منکرانِ پروردگار کا اژدحام ہوگا

بساطِ تقویٰ پہ دیکھ لینا گریگی جام و سبو کی بجلی
لٹیں گے اسٹیج پر تقدّس اسی کا تہذیب نام ہوگا

اٹھا ہے بیباکیوں کا طوفاں بدل کے تہذیبِ نو کا جامہ
اگر یہی ہے روش تو اک دن نہی صداقت کا جام ہوگا
ڈھلک کے چشمِ حیات آنسو گریں گے عصمت کی آستیں پر
حسین چہروں کا جلوۂ خاص اک تماشائے عام ہوگا
اُفق پہ ایماں کے خندہ زن ہے غرورِ دوراں کی تیرہ ناکی
حریمِ بطحیٰ میں سونے والے ہمارا کیا انتظام ہوگا؟

~~~~~~
~~~~~~

آ

محملِ راز سے نکل دشتِ مجاز میں بھی آ!
لیلیٔ مدعائے دل مجلسِ ناز میں بھی آ!

یوسفِ شہرِ دلبری حجلۂ دل میں آ کے بس
بزم کے ہوش اُڑ چکے خلوتِ راز میں بھی آ

جلوۂ بے پناہ پر تنگ ہے وسعتِ نظر
شاہدِ بزمِ لامکاں بزمِ مجاز میں بھی آ!

صبح و مسا کی جلوتیں وقفِ عوام ہو چکیں
پچھلے پہر کی لذّتِ سوز و گداز میں بھی آ

خلوتیانِ ناز سے راز و نیاز تا کجے
جانِ جہانِ آرزو حسنِ مجاز میں بھی آ

پردۂ رنگ و نور میں قید نہ کر جمالِ حسن
فکرِ رسا کی شوخیِ شعر طراز میں بھی آ!

صبح کا گیت

آم پہ کوئل بول رہی ہے بول کے امرت گھول رہی ہے
جاگ اٹھی ہیں سرد ہوائیں ناچ رہی ہیں زرد شعاعیں
پیارا پیارا مکھڑا دھو لو
کھولو بٹیا آنکھیں کھولو

نیم کی شاخیں جھوم رہی ہیں آپس میں منہ چوم رہی ہیں
ننھی ننھی چڑیاں چہکیں پھول ہنسے اور کلیاں مہکیں
پیارا پیارا مکھڑا دھو لو
کھولو بٹیا آنکھیں کھولو

کھیت پہ جانے والے جاگے ڈھور چرانے والے جاگے
نیک پجاری جاگ اٹھے ہیں کاروباری جاگ اٹھے ہیں
پیارا پیارا مکھڑا دھو لو
کھولو بیٹا آنکھیں کھولو

عزمِ مردانہ

دنیا کی دو روزہ عشرت پر کیوں بھینٹ چڑھے خودداری کی
اندوہِ جفا کی تلخی کو مانوسِ تمنا کر لوں گا
مانا کہ سنہری شمع نہیں دل سوزِ الم سے روشن ہے
پلکوں پہ لرزتے اشکوں کو مہتاب ثریا کر لوں گا
مجبور سہی معذور سہی میدانِ عمل میں آنے دے
امید کی دھندلی بستی کو لبریزِ تجلی کر لوں گا

دلنشیں ہے اسجگہ عنوانِ رازِ زندگی
منقسم ہے مختلف پردوں پہ سازِ زندگی
مرحبا اے شورشِ ہنگامہ زارِ جستجو
کھینچ دی پردے پہ اک تصویرِ دنیا ہوبہو

زعمِ شاعر

میرے قلم کو ہے تمیز شعر پیرائی
عروسِ نظم کے گیسو سنوار دیتا ہوں
ادب کے پھول کھلا کر زمینِ اردو میں
خزاں زدوں کو پیامِ بہار دیتا ہوں
دیارِ حسن کے پنہاں ترین جلووں کو
نگاہِ عشق اثر سے نکھار دیتا ہوں

مرے علائقِ رنگیں کی شرح کیا ہو گی
میں وہ ہوں حُسن کی ہستی سنوار دیتا ہوں

شرابِ نغمۂ دل سے فضا کو نہلا کر
چمن چمن میں نویدِ بہار دیتا ہوں

غبار و گردِ ہیں کھوئی ہوئی جبینوں پر
نقوشِ عشق و محبت اُبھار دیتا ہوں

مآلِ جلوہ گہِ روزگار سمجھا کر
ثبوتِ نیستیٔ روزگار دیتا ہوں

بہا رہا ہوں گلوں کے مآل پر آنسو
خراجِ کشورِ حُسنِ بہار دیتا ہوں

وفا سرشت ہوں پروردۂ عتاب ہے دل
جفائے حُسن کو جائز قرار دیتا ہوں

روا نہیں مرے مسلک میں خونِ خودداری
تڑپ کے شان سے راتیں گذار دیتا ہوں

ہو جو بھی مستِ نظر میں فراستِ کونین
میں اپنے دل پہ اسے اختیار دیتا ہوں

ہے چشم حور و ملائک کو آرزو میری
خدا سے ہوتی ہے خلوت میں گفتگو میری

فقدانِ معاش

ایک دفتر کی طرف کل ہو گیا میرا گذر
کیا کہوں اِن راز بیں آنکھوں کو جو آیا نظر
ایک معمولی اسامی پر سینکڑوں امیدوار
چو طرف [illegible] والوں کی صورت بیقرار
ورانڈے [illegible]
کر رہا تھا [illegible] کچھ عرضیوں کی جانچ پڑتال
گر کسی تحریر سے پڑتی تھیں آنکھیں سینک کر
مسکرا اٹھتا تھا ردی کی ٹوکری میں پھینک کر
چاک کر ڈالا کسی کو دیکھ کر فوراً ہنس
ہونٹ تھرائے نظر گھومی بگڑ کر تیوری چڑھ گئی

(۲)

بن رہا تھا چشمِ حاکم کیلئے داغِ شعور
خوشخطوں کا زعم اور مضموں نگاروں کا غرور

صبح کالج رو رہی تھی ڈگریوں کی شام پر
علم تھا خاموش اپنے دلشکن انجام پر

ضبط کے سانچے میں ڈھل کر بن رہی تھی انفعال
مفلسوں کی انکساری منعموں کی قیل و قال

بن رہا تھا سینۂ غیرت میں اک گہری خراش
ماہ سیماؤں کی نازک انگلیوں کا ارتعاش

اہلِ بینش کیلئے تھا اصل میں درسِ جنوں
فارغ التحصیل لوگوں کی تمنّاؤں کا خوں

واہ رے قسمت کہ تھا ننگِ شرافت میں شمار
عہدہ داروں کا تدبّر خاندانوں کا وقار

کاغذی جامہ پہنکر کھو چکی تھی آبرو
ہاسٹل میں گنگناتی خلوتوں کی آرزو

سینکڑوں کاغذ کے پرزوں پر تھی مجبور نیاز
مسٹروں کی شانِ خودداری مسوں کی رُوح ناز

تھے یہاں سب بے اثر کیا تمکنت کیا التجا
اہل دولت کی سفارش پارساؤں کی دُعا

یک بیک آئی مرے پہلو سے آوازِ ضمیر
اب تو آنکھیں کھول اے دام تمنّا کے اسیر

دیدیا تجھ کو نزاکت نے غلامی کا خطاب
ہے تری غیرت کے رُخ پر بے حیائی کا نقاب

ہو چکا ہے تری خودداری کا شیشہ چُور چُور
اب تو صنعت کی طرف آ اے غلامِ بے شعور

اوٹرم گھاٹ کلکتہ کی ایک شام

ہوئی شام کیفیتیں آ رہی ہیں
نگاہوں کو ساغر سے پلوا رہی ہیں

ہواؤں میں رقصاں ہیں سیال نغمے
سماعت میں موجیں سی لہرا رہی ہیں

شفق سے ہیں پانی کی موجیں گلابی
تخیل پہ رنگینیاں چھا رہی ہیں

زمیں پر ہیں سورج کی زریں شعاعیں
فضا میں تبسم سا چھلکا رہی ہیں

نمسکار کی شعر پرور صدائیں
محبت کی دنیا کو گرما رہی ہیں

شکارے میں دو نوجواں مست پریاں
جہازوں کو نغموں سے نہلا رہی ہیں

اڑاتی ہیں پانی کی چھینٹیں ہوا میں
لگاتار تارے سے برسا رہی ہیں

جوانی کی ناطق اداؤں کے بل پر
ترانے سمندر میں تیرا رہی ہیں

یہ موجیں یہ انگڑائیاں کمسنوں کی
کہیں آ رہی ہیں کہیں جا رہی ہیں

رگِ جاں کو نشتر سے چھیڑا کسی نے
مسرت میں کروٹ سی لی بیدلی نے

خموشی ہر اک شی پہ چھائی ہوئی ہے
تصور نے دنیا بسائی ہوئی ہے

جھلکتے مکانات سنولا گئے ہیں
دھندلکے نے دھونی رمائی ہوئی ہے

رُکے تیرگی سے نگاہوں کے رستے
تجلی نے گردن جھکائی ہوئی ہے

ہیں پیشِ خدا ناخدا سر بسجدہ
دمک روئے ایمان پہ آئی ہوئی ہے

صبا نے وہی راگنی گنگنائی
مری چشمِ نم کی جو گائی ہوئی ہے

ضیا گاہِ خورشید ہیں رفتہ رفتہ
اندھیرے کی فرمانروائی ہوئی ہے

نگاہِ فلک سے برستا ہے کاجل
شفق کو بھی اب نیند آئی ہوئی ہے

ہے پھر آرزوؤں میں خاموش ماتم
امیدوں نے پھر چوٹ کھائی ہوئی ہے

جسے ضبط نے لاکھ نازوں سے پالا
لبوں تک وہی بات آئی ہوئی ہے

اُٹھا ہوں ارادوں کا پیغام لیکر
اُسی خالقِ درد کا نام لے کر

چراغوں سے آنکھیں ملاتا چلا ہوں — مناظر سے دامن بچاتا چلا ہوں
ہر اک شے سے ظاہر ہے انجامِ دنیا — وفاؤں پہ ایمان لاتا چلا ہوں
رگ و پے میں بجلی سی لہرا رہی ہے — ہر اک گام پر لڑکھڑاتا چلا ہوں
رہے گی مِری خاکِ بنگال شاہد — جگر زاد آنسو لٹاتا چلا ہوں
ہر اک سانس ہے مخبرِ داغِ پنہاں — ہواؤں میں آہیں ملاتا چلا ہوں
مگر مجھ کو دل سے بھلا دینے والے — تیری یاد کے ناز اٹھاتا چلا ہوں
عقیدوں کی تسکیں فزا روشنی میں — دعاؤں کے جادو جگاتا چلا ہوں
تری بُو سے مہکی ہوئی خلوتوں کے — تصور میں نقشے جماتا چلا ہوں
سکھایا ہے تو نے جو ناراض ہو کر — وہی مضمحل گیت گاتا چلا ہوں

مرے شوق کو آزمائے چلا جا!
ستائے چلا جا ستائے چلا جا!

ریا و ضیاء

او ستم کیش سیہ کار ریا کے بندے!
پھر اُسی طرزِ دلِ افگار سے دیکھا مجھ کو
رینگتے ہیں ترے ماتھے پہ تصنّع کے شکن
تو اور اس طینتِ ناپاک سے دھوکا مجھ کو

تیرے ہونٹوں پہ ہے باطل کی تعفّن سی نمی
تیرا امروز ہے آئینۂ فردا مجھ کو

میرا اللہ پہ تکیہ تیرا دولت پہ مدار
تجھ کو سکّوں پہ ہے بازو پہ بھروسا مجھ کو

میرے سینے میں ضیا بار ہے ایماں کا چراغ
مت سمجھ اپنی طرح کفر کا بندہ مجھ کو

مستند درس گہ عشق سے ہے دل میرا
میں وہ دریا ہوں کہ ناپید ہے ساحل میرا

لب پہ دریائے چمن کے ہے فسانہ میرا
اسکی اولاد کو پروان چڑھایا میں نے

چشم حیراں میں بسائی ہیں بھیانک راتیں
لوریاں دیکے گلستاں کو سلایا میں نے

میری فریاد نے توڑا ہے خموشی کا غرور
شب کی غمگیں فضاؤں کو ہنسایا میں نے

میرا دلبند ہے ہر ایک جگر بند چمن
گود میں ہر گل کمسن کو کھلایا میں نے

اپنے افلاس کو مغرور بنا کر رکھا
آج تک سر نہ کسی در پہ جھکایا میں نے

میری دولت ہے توکّل مجھ کو سمجھا کیا ہے
میرا اللہ مددگار ہے، پروا کیا ہے

سینکڑوں میں نے بنائے ہیں شبستانِ جمال
گرچہ بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہ گئی

دامنِ ضبط نہ چھوڑا مری خودداری نے
آپ بیتی بھی قسم ہے کہ سنائی نہ گئی

میں نے وہ رنج اٹھائے کہ الٰہی توبہ
دل سے امید بھی دنیا کی اٹھائی نہ گئی

سوزِ پنہاں کا تبسّم نہ رُکا پر نہ رُکا
آگ یہ مجھ سے نگاہوں میں چھپائی نہ گئی

رنگ طوفانِ حوادث کا اڑایا سو بار
طرزِ دُنیا کی مگر مجھ سے اڑائی نہ گئی

شب کو سونے نہ دیا سوزِ نہانی مجھے
شمع دکھلائی اندھیرے میں جوانی نے مجھے

بزمِ فطرت میں ہے پابندیٔ آئینِ وفا
صبح آتی ہے بدستور ہنسانے کیلئے

مجھ پہ پڑتی ہے لرزتے ہوئے تاروں کی نظر
ایک افسانۂ خاموش سنانے کے لئے

پھول کہتے ہیں نگاہوں میں بسالے ہم کو
ٹہنیاں ہاتھ اٹھاتی ہیں بلانے کے لئے

چھیڑتا ہے کوئی گہرائی میں خوابوں کی رباب
مجھ کو ڈھلتی ہوئی راتوں میں جگانے کے لئے

ذرّے ذرّے سے ٹپکتی ہے محبت کی طلب
حسن مضطر ہے نگاہوں میں سمانے کے لئے

سرمدی جام پلاتی ہیں ہوائیں مجھ کو
کاش دُنیا کے درندے نہ ستائیں مجھ کو

حدیثِ مشترک

یہ مانا تجھ کو اے جانِ تمنّا مجھ سے الفت ہے
ترے معصوم دِل میں ضوفشاں مہرِ محبت ہے
ترے پاکیزہ احساسات میں نورِ صداقت ہے
ترے عزم وفا پرور پہ نازاں حسنِ فطرت ہے

زمانہ بھر نہ دے اس داستاں میں رنگِ رسوائی

حقیقت میں تو وہ اک پیکرِ حُسنِ درخشاں ہے
کہ جسکا ذرّہ ذرّہ روکشِ قلبِ سلیماں ہے
تصوّر کا ترے اے جانِ احساں خالِ احساں ہے

تیری یادِ تجمل پاش سے دل انجستاں ہو
میرا دل جھومتا ہے برقِ سینا کے شرار ونمیں
یقیں ہے ہاں یقیں ہے مجھکو تیری بیقراری کا
ہجومِ غم کا سیلِ اشک کا اخترِ شماری کا
خموشی کا جھلکتی چاندنی میں آہ وزاری کا
اُمنڈتے آنسوؤں کا رقّتِ بے اختیاری کا
مگر دیکھ! اس کشاکش میں نہ تیرا کام ہو جائے
تجھے تو سب خبر ہے میں بھی لاکھوں زخم کھاتا ہوں
ہوائے سرد میں شب زاد فریادیں لٹاتا ہوں
تبسم زارِ فطرت دیکھ کر آنسو بہاتا ہوں
دُعائیں ہاتھ ملتی ہیں غشی سے داد پاتا ہوں
نہ جانے کب سنائے کوئی پیغامِ طرب مجھ کو

زمانے سے سنبھلنا یہ وفاداروں کا دشمن ہے!

یہاں کی رہنمائی غیرتِ بیداد رہزن ہے
ہزاروں بجلیاں پلتی ہیں جسمیں یہ وہ خرمن ہے
وفاداروں کا مقتل ہے دغا بازوں کا مسکن ہے

کہیں اِس اضطرابِ پاک پر پانی نہ پھر جائے!

مشاہدات

مقتبس از "نیرنگِ نظر"

(جو زیرِ ترتیب ہے)

پڑی ہیں یاں اس کی خاموشیاں فسونِ جواب

ٹھہر گیا ہے کسی سیاہ لوح پہ نیچے با ہم پیار

بے کراں احساس کی موسیقیت کی چھپی پکار

دلیپے جلسے دور اسے اترتے کی گٹھنی کا اثر

دولت پہ ہے میداں اگر بی حسن ابتہاج
سنگوں پہ ناز و جفا روش ہے جس پہ اس رنگ کی گل فیروزہ فام

نادر ہے بایہ تخم رواں مضمحل اندوہ سے اگر ہیں
جیسا کہ ہے جوہر ہے انصاف آفاق کا غلام

مفلسی اور اسمیں گھر اتنی بیٹیوں کا ہجوم
بیکسی میں پاس کی وضعداری کیا حسنِ امید

اس طرح ہو دل پہ کیا افسردگی چھائی ہوئی
جس طرح جاڑے میں سبزہ زرد ہو دولوں کی عید

حوض میں گر پڑا گلاب کا پھول
پاس لانے سے دور جاتا ہے

جیسے مدت میں ملنے والے کا
نام مشکل سے یاد آتا ہے

ہوا کے سیال بازوؤں پہ گھٹاؤں کے تشنہ لب کارواں ہیں

نسیم مستانہ رقص میں ہے فضا پہ نشہ سا چھا رہا ہے

خنک ترائی کے سنگ پارے پہ اُترتی ہیں ڈولتی بوندیں پڑی ہیں

کہ جیسے کوئی حسین نہا کے گھنیری زلفیں سکھا رہا ہے

بیٹھیں بیٹھیں زنانی خلق پا دا آجانی جب جب

سکھتی پڑت سماں تجمیل کی اوہی نہیں نگاہ

جب سے چھوڑی وتنہ اونہاں بیار بکر سے لیعہ

جو جن زن جانی سمجھے سمجھے ابر سیاہ

وہی کاکلیں ہیں بہ ہنگامِ جانکنی
سر دھن رہا تھا چارہ گر دو نہیں کھڑا ہوا

ہے صبح یوں گردوں کے سینے پہ تیرہ شب
کھیلے سیاہ ناگ کا تازہ ڈسا ہوا

دوپہر پیڑوں کو ہے سنا گیا آگ جنگل تمام
اک کرن شاخوں سے چھنکر آئی ہے کیا بھولی ہے
جس طرح اک گاؤں کی دوشیزہ معصوم ادا
نیم سہمی نیم جرأت و امید انساں کی نظر

تمام اوراق میں پیوستہ سنگ زنی غبار
چھپی ہیں زرد و زرد آنکھ جھپکاتا ہوا
جنگلوں میں منتظر خانہ بدوشیاں چھائی ہوئی
سرکش آگ کی ہے آگ سی آگ کا ہوا ہوا

جوہری کی کٹوری کا ادول سے آسمان لبریز ہے
اس طرح ضو پاش ہے ہر رود کو ماہ سیم فام

جیسے ساحل کی بلندی پر بچھی ابریاں ہیں
گر رہے پانی میں جیسے مچھلی کا انداز خرام

مینہ برس کر تھم گیا ہے پھٹ گئے ابر سیاہ

ٹہنیاں ہیں کل کر دھوائے گرد کی ہیں پان و بیاں

جس طرح جادو وطن میں ڈوبتے سورج کے وقت

قید خانے میں ہے ڈیوڑھی کی اشکوں کا سماں

مفلسی کے وقت آلۂ تشنعت ہے تیغ کی یاد

پاؤں دکھائی کچھ دیکھا ہے تشنہ اور لب پہ

پھیلتی ہیں جس طرح دریا سے میداں کی طرف

... سایہ کا پیہ

رو رہا تھا گود میں ماں کی کسی کا طفل جب
اس طرح ہلکے سے پیار سے تھپکتی بار بار

جیسے پُروا کی نسیمِ شب ہلکی ہوا کے ساتھ
سنتے ہی [illegible] دو ایک پتوں کی صدا [illegible]

ہم نشیں ان اجتماعِ ابر میں روتی نہ پوچھ
ہوا اٹھا اس طرح محسوس ہوئی پیاس نہانے کے بعد

جس طرح دیہات کے اک سلسلۂ ویران دھوپ
اک سکوتِ منفعل گاڑی گرج جانے کے بعد

جب کوئی جگنو چمکتا ہے اندھیری راتوں میں
اس طرح ظلمت میں لہراتی ہے نورانی لکیر

جیسے سسکی پر گرے جب بادلوں کے سائے میں
جنبش امواج سے نادار سی شکن کا نصیب

یاس میں بیداریِ احساس کا عالم نہ پوچھ
ٹھیس یوں لگتی ہے دل پہ طعنۂ ہمراز سے

جس طرح سردی کی افسردہ اندھیری رات میں
چونک اٹھتا ہے کوئی بیمار کی آواز سے

جب کسی کی یاد آ کر تلملا جاتا ہے دل
جگمگا اٹھتی ہے سینے کہکشاں سینہ زخم و داغ

جیسے ساون کی کسی تاریک راتوں میں زمیں
صحن میں زینے سے آ کے ہاتھ میں لے کر چراغ

آسماں پر ہیں جو تاباں ابر پاروں کے ہجوم
اس طرح کھل کھل کے چھپتی ہے جبینِ آفتاب

جس طرح ہمسائیوں کی آمد سے بہ ہنگامِ سحر
کھینچتی ہے نئی دلہن کا اندازِ نقاب

۱ پیچ و خم کر کے دیں جبیں کی نیشتانی کو چھپانا پڑا

۲ سکھنچ گیا میرے لبِ لعل جبیں سے عسل

۳ جب طرح عصیاں شعار و نکوہیدہ سے کاری کا بعد

سر کھلی تابہ تبہ ہوا کس سے ترشیمیں

گدا ہوں مجھکو لیکن دولت کونین حاصل ہے
وہ آئیں گھر مرے تقدیر تھی ایسی کہاں میری

میں ان کو دیکھ کر احسان یہ محسوس کرتا ہوں
کہ جیسے مل رہی ہو مجھکو عمر رائیگاں میری

بہ سبزی شاخ ہمہ عشق نمائے کالالہ زار ١

ہزار پیرہنِ [illegible] ست

جابجا ہمہ لالہ ہمہ مستِ [illegible] ١

ہمچو عروس لالہ بگل ...

فصل ہمہ یار عروس الالہ ٢

نسیم ... بوستان ... عود ... ست

ا؎ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کا ایک ہاسٹل

بے بسی اور اسیری یادیں نغمے
رتجگی سی کئی آنکھوں میں

دل پہ ایسا سماں مسلط ہو
چاندنی جیسے خالی آنکھوں میں

بجلیاں وہ تڑپ رہی ہیں کہ یہ شمعیں قطار اندر قطار

کیوں نہ ہو تمنا یہ جنت صورت حوراں کو ایک

پیمال کی چہک اس طرح ہے خلوتوں میں جس طرح

زمیں کے نکہتیں نہیں ہیں تیر ماہری کی بلبلوں پہ ایک

۱؎ عثمانیہ علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کا ایک ہوسٹل ہے۔

وہ مری خامشیوں پہ اس طرح بگڑ گئے ہیں
دکھا گیا احساس کی دنیا پہ کچھ ایسا سماں

جیسے اپنی شکست کو ٹھوڑی دو پہ عمل لینا ہے
شیرازۂ ذہن کی فضا میں ایک سگاری کا دھواں

شہر کی ویرانیاں ایسی ہوئیں آوارگی کی ساتھیوں پیچھے نہ
فلک کا شکوہ تو تنہا اٹھائیں اگر اٹھائیں ہم ایسا ہی جاتی ہیں

بہار و فطرت ملا ہوا ہے صبا کی شہر ہوا کی راگنی ہے
مجھ سے بھی سن لے کہ آزردہ ہیں کہ اٹھتی ہیں

سکوری

رات ہے برسات ہے بجلی میں روشن ہے چراغ

پیاری پیاری روشنی پھیلی ہوئی دیوار پر

ٹپکا اک بوند آنسوؤں کی ٹوٹنے کے وقت

چمکے گوہر ہیں یا موتی ترے رخسار پر

اس طرح ذہن میں انجامِ محبت کے خیال
جیسے نبضیں دل کی بہ انجامِ الم دیتے ہوئے

جیسے کشتیوں کو کنارا دل کو آرزو پیہم
جیسے شاخوں سے سائے گرد میں لپٹے ہوئے

گرمیاں۔ دھوپ۔ رات۔ تنہائی

کس دیا دور سناٹا ہے

پیکرِ پُر خلوص انساں کا

مشکلوں میں خیال آتا ہے

شام سے گر زمیں جلووں پہ پیاسی آگئی
چھا گئی ظلمتیں جنگل میں اندھیری کی سیاہ

چل کے روشن ہوئے ذرات کا شادی کر لیا
تیرہ بیٹی نے سیہ زلفوں سا بانی طرح سیاہ

ہمنشیں یاس کے دھندلکے میں
رحمتِ حق کا جب خیال آیا
مسکرائیں نحیف اُمیدیں
روئے ایماں پہ نور لہرایا
جیسے ساون میں سبزہ زاروں پر
ہو کہیں دھوپ اور کہیں سایہ

یہ اندھیری رات یہ جوشِ بہارِ بے بصر

پھر گئی ہے شملے پہ طاری عالمِ خوابِ جناں

پتھروں کی سرد سانسوں سے فضا معمور ہے

ٹہنیاں سجدے میں ہیں روکے ہوئے انگڑائیاں

ہیں بلند و پست پر ہنستے ہوئے برقی نجوم

پڑ رہا ہو جس طرح پانی میں عکسِ آسماں

جا رہی تھی ریل سوئے لکھنؤ کل نیم شب
چاندنی برسا رہا تھا چودھویں کا ماہتاب
میں نے جب دیکھا دریچے سے بیاباں کی طرف
آ رہا تھا اس طرح گاڑی کا سایہ ہم رکاب
جس طرح پیری میں نم آلود سجدوں کی طفیل
چشمِ الطاف و کرم کے ساتھ ہی خوفِ عذاب

حالاتِ احسان بن دانش

(از جناب اختر حسین خانصاحب تسکین بریلوی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

میں خود کو انتہائی کیف و سرور کی مستی میں ڈوبا ہوا نہیں پا رہا بلکہ اپنے بیکار اور فضول دماغ پر بھی ناز و افتخار کا احساس کر رہا ہوں۔ کہ میری آرزو کی موافقت احباب نے بھی کی کہ مصنف "دردِ زندگی" و "حدیثِ ادب" و "رموزِ غالب" کے حالات کو ترتیب دے کر معرضِ تحریر میں لاؤں۔ قبل اسکے کہ میں اصل موضوع کی بنیاد رکھوں اپنی کم مائگی اور ان مجبوریوں اور لاچاریوں کا بھی اعتراف کروں گا جو اس فرض کی سبکدوشی میں سدِ راہ ثابت ہوئیں۔ جن جن مشکلات اور پریشانیوں کا مقابلہ کرکے حالات جمع کئے گئے ہیں۔ ان کا اندازہ ایک سوانح نگار اچھی طرح کر سکتا ہے اسلئے ان کا اعادہ ایک تحصیلِ حاصل ہے۔ ہاں اتنی شکایت ضرور ہے کہ حضرت مصنف نے باوجود ہزارہا منتوں سماجتوں کے خود کوئی لفظ بھی لکھنے سے انتہائی بے نیازی برتی ہے۔ ان کے اس جذبۂ استغنا سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ وہ حد درجہ بے نیاز انسان ہیں، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ وہ اپنی لطیف و رنگین زندگی کو عام نظروں سے پوشیدہ رکھنا اچھا سمجھتے ہیں۔ خدا جانے کیوں۔ بہرنوع ذیل کے تمام حالات کچھ تو ان واقعات سے ماخوذ ہیں۔ جو میں نے اکثر زبانی سُنے ہیں۔ اور کچھ ان خطوط سے جو کبھی کبھی احسان عنایتاً یا اخلاقاً مجھ کو تحریر فرما دیا کرتے ہیں۔

(اختر حسین خاں تسکین)

سکونت و خاندانی حالات

کاندھلہ ضلع مظفر نگر یو۔پی میں شاہدرہ سہارنپور لائٹ ریلوے پر ایک مختصر مگر مردم خیز قصبہ ہے جہاں اہلِ کمال کی اول سے تخلیق ہوتی رہی۔ مثنوی مولینا روم کا ساتواں دفتر جس بزرگ و شخصیت نے مکمل کیا ہے۔ وہ اسی قصبہ کی خاک سے پیدا ہوئے تھے۔ اس قصبہ کے محلہ مولانان اور محلہ مولویان میں شاہی وقت سے آج تک ارباب علم و فضل پیدا ہوتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ جناب احسان قصبہ کاندھلہ محلہ مولانا کے رہنے والے ہیں۔ قصبہ سے صرف ایک میل

مشرق کی جانب نہر جمن شرقی کا دلفریب منظر اور آبادی کے چاروں طرف بڑے بڑے پرُفضا باغ - جو اسکی رونق اور دلکشی کو دوبالا کر رہے ہیں - محلہ مولانان سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر ایک پختہ تالاب ہے جسکے مشرقی کنارے پر مسجد مغربی پر ایک پرُفضا گھاٹ شمالی کنارے پر ایک عالیشان مندر اور فقیروں کے قیام کے لئے دو منزلہ عمارت اور باغ - جنوبی کنارے پر دور تک سبزہ زار ہے - کاندھلہ کے قیام میں احسان کو اسی مقام سے زیادہ محبت رہی - کاندھلہ میں متعدد شاعر بھی موجود ہیں اور ادیب بھی - عربی اور فارسی جاننے والی قابل قدر ہستیاں اور انگریزی کے فارغ التحصیل لوگ بھی بکثرت آباد ہیں

جناب احسان کی عمر اسوقت تینتیس ساڑھے تینتیس سال کی ہے - باوجود انتہائی کوشش کے صحیح ماہ پیدائش معلوم کرنے سے معذور رہا ہوں جسکی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ قصبات میں اموات و پیدائش کا خیال اتنا نہیں رکھا جاتا جتنا کہ بڑے شہروں میں - قصبہ کاندھلہ کو آپکی ننھیال ہونے کا فخر حاصل ہے جدی جائے سکونت ریاست باغپت ضلع میرٹھ ہے - وہاں کی قضات آجتک اسی خاندان میں چلی آتی ہے آپکے والد کا نام قاضی دانش علی ہے - اور اسی نام کی مناسبت سے آپ خود کو احسان بن دانش لکھتے ہیں ریاست باغپت کے قاضی کو شاہی وقت سے آجتک ریاست سے وظیفہ ملتا چلا آتا ہے -

آپ کے والد آپ کی پیدائش سے پہلے تک وہیں رہتے رہے - لیکن مجبوریوں نے ہجرت کرنے پر آمادہ کر دیا - آپ باغپت کو خیرباد کہہ کر کاندھلہ آگئے اور مستقل سکونت اختیار کر لی! دراصل احسان الحق تولد ہوئے - ان کے اکثر عزیز ریاست بھوپال ٹونک اور سرونج میں اچھے عہدوں پر ممتاز ہیں - لیکن یہ سب سے بے نیاز -

آپ کے والد کے پاس معقول جائداد تھی - لیکن چونکہ وہ صاف دل اور پاک طینت بزرگ ہیں اسلئے آپ کے دیگر اعزا نے اس سادہ لوحی سے ناجائز طور پر کسب منفعت شروع کر دیا - زیادہ عرصہ نہ گذرنے پایا تھا کہ آپ کی کل جائداد خود غرض عزیزوں کے قبضہ میں پہنچ گئی - اور خود بیچارے تہی دست ہو گئے یہ حادثات دراصل قدرت کا امتحان ہوتے ہیں - اور ان منازل سے وہی لوگ صحیح سلامت نکل سکتے ہیں - جو بلند دماغ اور سلیم طبائع لیکر آتے ہوں -

امتحان کا وقت احسان کے خاندان پر اسوقت سے شروع ہوتا ہے - جبکہ آپکے والد کاندھلہ میں سکونت اختیار کرتے ہیں - مگر قاضی دانش علی صاحب کی بلند طبیعتی کہ ہر مصیبت کا نہایت مردانہ واری سے مقابلہ کیا - اس زمانہ میں قاضی صاحب نے کبھی کسی مشقتی ذریعہ معاش سے احتراز نہ کیا -

اور جس طرح بھی ممکن ہو سکا بیٹے اور اپنے بال بچوں کے آرام و آسائش کا خیال رکھا۔ اور حتی المقدور انہیں کوئی تکلیف نہ آنے دی۔

احسان کا عالمِ طفلی

روزانہ کی معاش تنگ نہ تھی کہ بال بچوں کا پیٹ بھی پلے اور دنیا کے دیگر اخراجات بھی پورے ہوتے رہیں۔ پھر بھی احسان کی تعلیم شروع ہو گئی۔ ایک معمولی سے قصبہ کی تعلیم بھی کیا۔ وہ ہی ابتدائی تعلیم اور وہ بھی پرائمری کی چند جماعتیں۔ جنکو احسان نے اپنے غیر معمولی دماغ کی مدد سے بہت جلد پاس کر لیا

بچپن میں احسان کو ہندی تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا اور ان کی دلی آرزو تھی کہ سنسکرت پڑھوں لیکن چونکہ قاضی صاحب پرانی تہذیب کے دلدادہ اور اسلامی تعلیم کے فدائی ہیں۔ اسلئے احسان کو انہوں نے سید حافظ محمد مصطفےٰ صاحب کے پاس عربی فارسی تعلیم کے لئے چھوڑ دیا لیکن قدرت کو پھر امتحان کی سوجھی کہ یکایک ان کے والد علیل ہو گئے اور اس علالت نے نہایت خطرناک صورت اختیار کر لی۔ اس زمانۂ علالت میں جو کچھ بھی اندوختہ پاس تھا خرچ ہوتا رہا۔ آخر کہاں تک ایسی حالت میں تو قارون کا خزانہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ پس افلاس کا ڈراؤنا بھوت سامنے تھا جسکو دیکھ کر کمزور انسان اپنی عزیز ترین چیز یعنی مذہب کو بھی آخری سلام کر دیتا ہے۔

احسان کی معاشی زندگی

والد کی علالت، روپیہ کا ختم ہو جانا گھر کے اخراجات اور دیگر ضروریات زندگی، جب ان تمام مجبوریوں نے احسان کو ہر طرف سے گھیر لیا تو وہ پریشان ہو گئے۔ لیکن نا امید نہیں، ہراسان ہو گئے۔ مگر مایوس نہیں، اور وہی دماغ جو دنیائے ادب میں آفتاب و ماہتاب بن کر لوگوں کی نظروں کو خیرہ، اور دل و دماغ کو حیران کر رہا ہے۔ مزدوری کے ادنیٰ پیشے میں مصروف ہو گیا کسقدر سعادتمندی ہے کہ اپنے والد کی خدمت کے لئے ایک ہونہار اور سعید بچہ اپنی آئندہ زندگی کو محض تاریک و قطعی ظلمت آفریں بنا لے .... لیکن یہ آنیوالی تاریکی ایسی نہ تھی جس میں انسان راستہ بھٹک جائے۔ بلکہ یہ وہ پُر نور راستہ تھا جسکی انتہائی بلندیوں کی طرف قدرت خود اپنے ہاتھوں سے احسان کو مصروف پرواز کر رہی تھی۔ اور ان بلندیوں کی طرف جو آفرینش عالم سے ابتک انسانی سعادت کا معراج کمال ہیں .... جو اسوقت محض رحمتِ خداوندی ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ اور جن کو ذاتِ احدیت کا عطیہ اور ودیعت کہا جا سکتا ہے۔ ذرا غور کیجئے۔ ایک کمسن بچہ کی یہ لاثانی و بے لوث قربانی۔ ایک باپ کا دکھا ہوا مگر محبت بھرا دل اپنے ایسے بیٹے کے لئے کیا کچھ نہیں سوچتا ہو گا۔

ادھر احسان اپنے ضعیف اور کمزور والدین اور مجبور ابی اعزا کی خدمت کی اور اپنی شکم پری و جسم پوشی میں منہمک تھے۔ ادھر قدرت کے ہاتھ اپنی کرشمہ نگاری میں مصروف۔ مصائب کا ابھی خاتمہ نہیں ہوا تھا تکالیف نے ابھی پیچھا نہیں چھوڑا تھا کہ ایک یہ واحد ذریعہ معاش بھی صاحب فراش ہو گیا۔ یعنی احسان بھی سخت بیمار ہو گئے۔ رہا ڑا بخار تو تھا ہی، چیچک نے بھی اپنا دست تظلم دراز کیا۔ ذرا اس ساعت کا خیال کیجئے جبکہ کھانے والے انتہائی مجبور و ضعیف ہوں۔ اور کمانے والا سخت بیمار و مریض ہو۔ کیا کیا خیالات دل و دماغ میں آتے ہونگے کن کن کشمکشوں میں زندگی کا ہر لمحہ گذرتا ہوگا ...... لیکن پھر بھی قدرت کی اس ستم ظریفی نے امیدوں کے چراغ اور سہاروں کی روشنی کو گل نہ کیا تھا۔ اس عالم بیچارگی میں امید ساتھ تھی اور رحمت مددگار۔

احسان کی جفاکش طبیعت اور خوددار اعتماد مزاج نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنے ضعیف والدین کو عالم ضعیفی میں کچھ بھی تکلیف ہونے دیں۔ اسلئے اس بیماری کی حالت میں تھوڑا سا افاقہ دیکھتے ہی وہ نکل پڑے۔ اور جلد ہی میونسپلٹی میں ایک معمولی سی جگہ پر ملازمت کر لی۔ بقول احسان "یہ وہ زمانہ تھا کہ چیچک سے کامل صحت نہیں ہوئی تھی۔ اکثر زخموں سے کرتہ چپک جایا کرتا تھا"۔ شاید یہی ابتدائی جذبہ ہے اور اسی جذبۂ خدمت والدین سے حاصل کی ہوئی دعائیں ہیں۔ جو وہ آج آفتاب بنے ہوئے افق ادب پر چمک رہے ہیں۔ کون جانتا تھا کہ آج یہ احسان جو میونسپلٹی کی ایک معمولی خدمت انجام دے رہا ہے کل کو اس کی محیر العقول قابلیت کا ملک کے بڑے سے بڑے دماغ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

قاضی محمد ذکی صاحب کی صحبت بابرکت کا اثر

مصائب و ابتلا کی اس شب گوں فضا میں احسان کے پاس سوائے اپنی وقار پسند طبیعت کے اور کچھ نہ تھا۔ انسان جب راستہ چلتے چلتے منزل مقصود سے اس قدر دور ہو جاتا ہے کہ اس کو منزل کے دھندلے سے نشانات بھی نظر نہیں آتے۔ تو وہ ایسی جگہ ہوتی ہے۔ جہاں اس کے اوپر انتہائی یاس کا عالم طاری ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں قدرت خود انسان کی مدد کرتی ہے۔ ڈوبتے کو کوئی نہ کوئی الیاس مل ہی جاتا ہے۔ احسان کی بے چینیوں اور اضطرابیوں کا آخری وقت آ گیا تھا۔ لیکن ایسا نہیں جسکے بعد وہ عیش و آرام اور سکون و راحت کی زندگی بسر کرنا شروع کر دیتے بلکہ ایسا جسکو غالب نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے ؎

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج　　مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

اب ان کی بے چینیوں میں ایک سکون تھا۔ ان کی تکالیف میں ایک آرام تھا۔ ان کی اضطرابیوں میں ایک طمانیت تھی۔ ان کی غم نوازیوں میں ایک راحت تھی۔ اور مشکلات اور اضطراریوں میں ایک خاموشی۔ اس عالم کس مپرسی میں جبکہ انسان کو قدرت تنگ دست بردار نظر آتی تھی۔ قاضی محمد ذکی صاحب کاندھلوی کی صحبت بابرکت نصیب ہوئی جنہوں نے ان کو اور بھی جگر دار بنا دیا۔ ورنہ یہ امر یقینی تھا۔ کہ احسانؔ یا تو صحرا کی زینت ہوتے۔ یا آغوشِ قبر کی۔ کیونکہ نہ کوئی حقیقی بھائی تھا نہ کوئی ایسا عزیز جو مصیبت میں بازو تھامتا۔ شاید اسی پہ احسانؔ نے کہا ہوگا۔

کسی کی شانِ کرم کے صدقے ملا ہے احساںؔ ہم کو کیا کیا
خموشیوں کی فغاں ہیں ہم اسکوں کی آہیں، نظر کے نالے

قاضی صاحب کاندھلہ کی بزرگ ترین ہستی ہیں۔ اور انہیں سے احسانؔ کو شرفِ تلمذ بھی حاصل ہوا ہے۔ غائبانہ طور پر میں بھی ان سے متعارف ہوں۔ اور مظفر نگر میں اکثر لوگوں کو ان کا مدح خواں پایا ہے۔ آپ صوفی منش اور درویش سیرت بزرگ ہیں۔ آپ کے اوپر بھی قریب قریب ایسے ہی واقعات و مصائب کے حملے ہوئے ہیں۔ جنہوں نے ان کو خاموش اور تقریباً ۱۰ سال سے گوشہ نشین کر دیا۔ لیکن مالی حیثیت سے قاضی صاحب قبلہ ایک صاحب حیثیت شخص ہیں۔ اس لئے ان مصائب کا مقابلہ کرنے میں اس جہد و جانفشانی کی ضرورت نہیں پڑی جس میں احسانؔ زندگی گذار چکے ہیں۔ آپ کو عالمِ شباب میں شاعری کا شوق تھا۔ اور معیارِ شاعری بہت بلند۔ آپ نے تغزل میں نہایت کامیابی اور شگفتگی کے ساتھ طبع آزمائی فرمائی ہے۔ ابھی تک آپ کا کلام شائع نہیں ہوا ہے۔ اب یا تو اہلِ کاندھلہ کی بے توفیقی اور لاپرواہی۔ یا قاضی صاحب کی بے نیازی اور منکسر المزاجی، بہرحال ان ہی وجوہات سے یہ خوف ہو سکتا ہے۔ کہ کہیں اردو ادب ان بے بہا لٹتے ہوئے موتیوں کو سپردِ خاک نہ کر دے۔ میری آرزو ہے۔ اور دلی آرزو کہ قاضی صاحب اگر اپنا کلام یکجا نہیں تو کم سے کم کبھی کبھی اخبار و رسائل ہی میں شائع ہونے کے لئے ارسال فرما دیا کریں۔ اس سے ایک طرف تو ادب پر احسان اور اس کی خدمت ہوگی اور دوسری طرف کلام کے ضائع ہو جانے کا خوف جاتا رہیگا۔ ایک مرتبہ احسانؔ سے ملاقات ہونے پر اس کا تذکرہ ہوا تھا۔ تو وہ فرمانے لگے۔ کہ میں نے قاضی صاحب سے کئی مرتبہ عرض کیا ہے کہ اپنا کلام شائع کرنے کی اجازت دیجئے۔ مگر وہ ہمیشہ انکار کر دیتے ہیں۔ اس سے مجھے یک گونہ کوفت ہوئی۔ خدا سے دعا ہے کہ قاضی صاحب قبلہ جلد از جلد اس خیال کو چھوڑ دیں۔ اور اپنے کلام کی اشاعت کی اجازت عطا فرما دیں۔

قاضی صاحب قبلہ ایک عالمانہ حیثیت کے مالک ہیں۔ فنونِ لطیفہ میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ آپ بیک وقت شاعر بھی ہیں اور مصور بھی۔ منجم بھی ہیں اور خوشنویس بھی۔ زبان داں بھی ہیں اور ادیب بھی۔ ظاہر ہے کہ ایسی نادر الوجود ہستی کا فیضانِ صحبت ایک شخص کو کہاں سے کہاں پہنچا سکتا ہے۔ آپ کی دریا دلی اور عنایت کریمانہ احسانؔ کے لئے بڑا زبردست سہارا بنیں۔ آپ ہی کی صحبت میں احسانؔ کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ آپ ہی

کہ آگے زانوئے شاگردی بھی تہ کریں۔ "حدیث ادب" پر جو انتساب کے تحت عبارت لکھی ہے۔ اس سے احسان کے تشکر انہ جذبات اور نیاز مندانہ خلوص کا اظہار ہوتا ہے۔ جو وہ قاضی صاحب کے لئے اپنے دل میں رکھتے ہیں۔

"بصد خلوص یہ چند محتاج نظر اوراق کا مجموعہ اپنے استاد محترم جناب قاضی محمد ذکی صاحب ذکی کاندھلوی ضلع مظفرنگر کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں۔ جنہوں نے اوائل عمر ہی میں مجھے نہ دین ارشادات سے احساس کی دولت جاوید عطا کرکے فراق کی روح فرسا گھڑیوں کے سپرد کر دیا۔" (احسان)

اس لحاظ سے قاضی صاحب قبلہ اردو ادب کی طرف سے اور زیادہ شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ادب کی دھندلاہٹوں میں روشنی پھیلانے کے لئے اور ادب پر احسان کرنے کے لئے ایک ایسا گوہر یکتا دیا جسکی نظیر ملنا مشکل ہے۔

مطالعہ اگرچہ یہ زمانہ احسان کے لئے انتہائی تکلیف کا زمانہ تھا۔ لیکن طبیعت کا رجحان اور مزاج کی رغبت ابتداء ہی سے پڑھنے لکھنے کی طرف ایسی زیادہ تھی۔ کہ جتنا بھی وقت فرائض کی انجام دہی سے بچتا اسکو مطالعہ میں صرف کرتے۔ قاضی محمد ذکی صاحب کے پاس کتب کا کافی ذخیرہ تھا۔ اور احسان کو عام اجازت تھی۔ کہ وہ جو کتاب چاہیں لیکر پڑھیں۔ چنانچہ اس شوق مطالعہ نے ان کو کافی استعداد و قابلیت کا آدمی بنا دیا۔ جو موجودہ وقت میں ان کے لئے صد درجہ مفید ثابت ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی کون کہہ سکتا ہے۔ کہ قدرت نے یہ شوق پیدا اسی لئے کیا تھا۔ کہ احسان کو ایک رزمنان ادب سپرد کی جائے۔ اس زمانہ میں ایسی ایسی کتب نادرہ ان کی نظروں سے گذریں۔ جن کے لئے لوگ اب بھی سرگرداں و پریشان ہیں۔ لیکن وہ کہیں نہیں ملتیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ان کے والد صاحب شام کو جب کام سے ان پر واپس ہوتے۔ تو کسی کتاب کے سنانے کی فرمائش کرتے۔ اور وہ سنایا کرتے۔

اس مطالعۂ کتب سے احسان کو فائدہ بھی ہوا۔ اور نقصان بھی۔ نقصان تو یہ ہوا کہ بہت جلد ہی یہ شوق جنون کی صورت اختیار کر گیا۔ اور آخرکار وہ اس جنون سے اسقدر مجبور ہوئے کہ اپنی ملازمت ترک کرکے ارادہ کیا کہ ایسی ملازمت کا آغاز کریں۔ جہاں ان کا زیادہ سے زیادہ وقت مطالعہ میں صرف ہو۔ اسطرح ان کی ملازمت ان کے ہاتھوں سے جاتی رہی۔ اور پھر عرصہ تک بیکار پھرتے رہے۔ ملازمت کا مل جانا کوئی آسان کام تو تھا نہیں جب پریشانیوں میں پھر اضافہ محسوس ہوا تو مجبوراً یہ خیال کیا کہ وطن کو چھوڑ کر کہیں باہر تلاش معاش کی جائے۔ وطن چھوڑنا کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے اور بالخصوص ایسی

حالتوں میں جبکہ مدت نامعلوم ہو۔ اور وطن سے باہر کوئی مددگار تو درکنار شناسا تک نہ ہو۔ اس کا اندازہ ان ہی دلوں کو اچھی طرح ہو سکتا ہے۔ جنکو احساس محبت بھی ہو اگرچہ کاندھلہ ہی میں جناب احسان کو بہت سے لوگ ایسے مل سکتے تھے۔ جو تازیست بلا کسی معاوضہ کے ان کی خدمت کئے جاتے کاندھلہ کے باشندگان میں مولوی ضیا ءالاسلام صاحب ضیا۔ مولوی ظہیر الحسن صاحب ایم۔ اے۔ حافظ لیاقت علی صاحب نور احمد صاحب اور جناب شفا کا ذکر احسان اکثر کرتے ہیں

لیکن اُن کی خود دار طبیعت نے ان کو وطن مالوف چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ بقول اقبال

جو گھر سے اقبال دور ہوں میں تو ہوں نہ محزوں عزیز میرے ۔ مثالِ گوہر وطن کی فرقت، کمال ہے میری آبرو کا

احسان کو بھی کیا علم تھا کہ ان کی وطن کی مفارقت ان کی شہرت و عزت کا پیش خیمہ ہے۔ جو شاید بغیر ترک وطن کئے کبھی حاصل نہ ہوتی۔

لاہور میں آمد

مختلف شہروں کی کوچہ گردی کرتے رہے۔ لیکن کوئی جگہ ایسی نہ ملی جہاں مستقل اقامت اختیار کر سکتے۔ یہ فخر تو محض لاہور کی ادب نواز فضا ہی کو حاصل ہونا تھا کہ وہ احسان جیسی ادب کی والا و شیدا ہستی کو خوش آمدید کہنے کے لئے اپنی آغوش وا کردے پھر لاہور پہنچکر ان کو اندازہ ہوا۔ کہ وہاں بھی اس خیالی کو عملی صورت نہیں دی جا سکتی جسکی خاطر انہوں نے اپنے وطن کو چھوڑا۔ شاید اسی وقت احسان نے یہ شعر کہا ہو۔

میری امیدیں تڑپ تڑپ کر ہجوم حرماں میں سو گئی ہیں ۔ نفیس فراوانی طرب سے الٰہی محروم خواب کردے!

اس عالم بیچارگی میں پھر وہ ہی مزدوری اختیار کرنی پڑی۔ کتنی بلند وہ طبیعت اور کسقدر دنا پسندیدہ فطرت ہوگی جس کو کشمکش حیات اور تنازع للبقا کے اہم مسئلہ کو جاری رکھنے کے لئے دنیا کے کسی کام سے عار نہ ہو۔ ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ سے

تیشہ بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد ۔ سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا

چنانچہ لاہور میں داخل ہو کر جو سب سے پہلا کام احسان نے شروع کیا وہ معماروں کے ہمراہ مزدوری کا تھا۔ احسان کا ایک وہ عالم تھا۔ اور ایک موجودہ حالت ہے جسمیں زمین و آسمان کا فرق ہے جس وقت وہ ان دونوں حالتوں کا موازنہ کرتے ہوں گے۔ ان کے خیالات کیا کیا ہوتے ہوں گے۔ یہ تو کوئی ان ہی سے دریافت کرے۔ بہر حال ان کی لطیف اور ارتقا پسند طبیعت نے مزدوری ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ معماری کے کام کو بھی بہت جلد سیکھ لیا۔

تحصیل فنون لطیفہ کی ابتدا

معماری کا کام سیکھ کر اس میں مہارت پیدا کی اور کچھ عرصہ گئے بعد احسان لاہور میں مزدور سے بجائے ایک ہوشیار معمار شمار ہونے لگے۔ طبیعت میں شعریت و لطافت کا جزو ازل ہی سے شامل تھا۔ فنون لطیفہ میں جو ایسے فنون ہیں جنکا ذریعۂ اظہار مادہ اور اکثر کثیف مادہ ہوتا ہے۔ ان میں سے طبیعت مائل تو اکثر کی طرف تھی لیکن ان میں بھی لطافت و رعنائی کے متلاشی تھے مگر قدرت ابھی تک کسی اور منزل کی طرف اڑائے لئے جا رہی تھی۔ معماری کے کام میں نقش و نگار اور پچکاری کے کام میں ملکہ پیدا کر لیا۔ جب وہ مکانات و عمارات کی مرمت اور نقش و نگار کو اجاگر کرتے ہوں گے۔ تو تقدیر کتنی ہنستی ہوگی۔ کیونکہ اس کے سامنے وہ دن بھی تھا جبکہ وہ ہی مٹی چونے کی عمارت کو مرمت کرنیوالے ہاتھ "ایوان ادب" کی مرمت اور ادبی محل کی تعمیر ہی نہیں۔ بلکہ اس کی تزئین و آرائش میں بھی مصروف ہوں گے۔ رجحان طبیعت کی اس حیرت آفریں حقیقت پر غور کرنے سے قدرت کی کرشمہ سازیاں کسقدر بے نقاب ہوجاتی ہیں۔ کہ احسان مائل بھی ہوئے۔ تو تعمیر کی ماہیت کے سمجھنے کی طرف۔ ورنہ معماری کے بجائے کسی اور کام کو شروع کر دینا بھی ممکن تھا۔ لیکن انتظام قدرت میں دخل دینا کسی کے اختیار میں نہیں ہے

خدا کو اس حالت کا ابھی ایک تماشہ اور دکھانا منظور تھا۔ لاہور کا شاہی قلعہ تھا۔ اور احسان اسکی مرمت میں منہمک۔ کہ ایکدم قلعہ کی بلندی پر سے گرے۔ اور ایسے گرے کہ زندگی کا خاتمہ ہی ہو جاتا۔ لیکن چونکہ وہ ایسی موت سے خود بھی گریزاں ہیں جو دنیاوی "رسوم و قیود" کی سرگشتگی سے حاصل ہو۔ اسلئے ان کو ہیں اجل سے بچانے والے فرشتہ نے اپنا کام انجام دیا۔ اور ان کی ایک ہمسایہ خاتون جن کو احسان اپنی منہ بولی بہن کہتے ہیں۔ اُسی نے ان کی تیمارداری اور علاج وغیرہ کیا۔ خدا نے بہت جلد اس کی محنت و خدمت کا صلہ بھی دے دیا۔ اور احسان تندرست ہو گئے۔ اکثر فرماتے ہیں۔ اگر اسوقت فاطمہ جو میری منہ بولی بہن ہے۔ نہ ہوتی تو نہ معلوم کیا ہوتا۔ میں اس کی بے لوث خدمت کا قیامت تک احسان مند رہوں گا"

مطالعہ اور تلاش کتب کا ابتدائی جنون بدستور دامنگیر تھا۔ لیکن اس واقعہ نے زندگی کو ایک دوسرا پلٹا دیا۔ اور قدرت نے اس آرزو کے تکملہ کا کچھ سامان بہم پہنچایا۔ جسکی عرصہ سے احسان کے دل میں پرورش ہو رہی تھی۔ یعنی "نعیبر مونٹ" میں جو ڈیوس روڈ پر ایک سیرگاہ ہے۔ اور عام طور پر پہاڑی کے نام سے مشہور ہے۔ رات کی چوکیداری کی ایک اسامی خالی ہوئی۔ اس کے متعلق

احسان نے اکثر اپنے خطوط میں تذکرہ کیا ہے۔ کیونکہ یہ ان کی زندگی کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔ اور ممکن ہے احسان نے اسکو نظم کا جامہ بھی پہنا دیا ہو۔ جس کی چھان بین تبصرہ نگار کا کام ہے۔ میں ان کے دو خطوط میں سے ان ہی کی عبارت نقل کرتا ہوں۔

"بس خوش مدسے چوکیداری حاصل کرلی۔ پھر تو میں جنت میں تھا۔ بجلی کی روشنی مفت تھی اور پھر آزاد تنہائی۔ چاندنی راتوں کی حسین آغوش میں خوابیدہ کائنات اور تکلم کوش سکوت! اور پھر طرہ یہ کہ دکھا ہوا دل سبحان اللہ! میری پامال نگاہوں میں ابھی تک ان جوان و زرنگار راتوں کے تصورات رنگ آمیزی کرتے رہتے ہیں۔ اور اس وقت بے شمار راتیں تو ایسی گذری ہیں کہ شام سے کتاب پر نگاہ جھکادی ہے اور صبح کے سورج کی معصوم کرنوں نے عبارت اور نظر کا سلسلہ منقطع کیا ہے۔ غرضیکہ وہ بیدار راتیں مجھے نہ معلوم کیا سے کیا بنا گئیں کہ اپنی زندگی کو دوسرے ہی رنگ میں خراب ہو رہا دیکھ رہا تھا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"پھر کیا تھا۔ مفت کی بجلی۔ رات کی آزادی و تنہائی۔ فضا کی خاموشی اور حسین راتوں کی چاندنی۔ تمام چیزیں میرے لئے کتاب فطرت کی صورت اختیار کئے ہوئے تھیں۔۔۔۔۔۔۔"

یہ ہی فردوسی مقام ہے جہاں کی یاد احسان کے ساتھ وابستہ ہے جسطرح جسم میں روح۔ بادلوں میں بجلی، بجلی میں چمک! اور پھولوں میں خوشبو۔ اس چوکیداری کی جگہ پر وہ اپنے منصبی فرائض کی تکمیل ہی میں مصروف نہیں تھے۔ بلکہ اپنے ذوقِ مطالعہ کی تشنہ لبی کو بھی بہرصورت بجھانے میں منہمک تھے۔

فنونِ لطیفہ کی فہرست ہزار بار مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ مگر کسقدر ظلم ہے۔ مرتب فہرست کا کہ اس نے ہمیشہ "باغبانی" کے فن کو نظر انداز کر دیا ہے۔ یہاں میرا موضوع بالکل جداگانہ ہے، ورنہ تھوڑی بہت اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈالتا۔ بہرحال میرے نزدیک باغبانی بھی ایک فن ہے لطیف۔ اور اس میں بھی وہ ہی لوگ مہارت حاصل کرسکتے ہیں جو فطرت پرست منظر پرست اور شاعر دل ہوں۔ ہر شخص وہ رنگینی و رعنائی پیدا نہیں کرسکتا جو ایک شاعر مزاج باغبان، اپنے باغ کی آرائش۔ روشوں کی درستگی اور کیاریوں کی تزئین میں کرسکتا ہے۔ کیونکہ شاعری بھی تو ایک چمنستان ہے اور شعر کا ہر مصرعہ، باغ کی ایک روش اور ہر بیت باغ کی ایک کیاری احسان کی شعریت بھری طبیعت کب اس سے محروم رہ سکتی تھی۔ چنانچہ رات کو وہاں پہرہ دیتے، مطالعہ کرتے اور دن کو وہیں باغبانی سیکھتے۔ وہ بہت جلد ایک مشّاق باغبان بھی بن گئے۔

ابھی قدرت اس فن کا بھی امتحان لینا چاہتی تھی۔ شاید اسی لئے چوکیداری کی جگہ تخفیف میں آگئی۔ اور احسان پھر بے کار ہو گئے۔ اسوقت ان کی سیکھی ہوئی باغبانی کام آئی۔ اور ایک صاحب کے یہاں باغبان ہو گئے

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ احسان نے دنیائے صحافت میں بھی اقدام شروع کر دیا تھا۔ اور اکثر رسائل میں آپ کا کلام نظر آتا تھا۔ یہ واقعات ۱۹۲۹ء کے ہیں۔ لیکن ابھی تک آنکھیں اس کلام سے محروم تھیں جنہیں احسان کو بہت بلند جگہ دیتی ہے۔ حالانکہ ان کا کلام رسائل میں اور بالخصوص لاہور ہی کے رسائل میں شائع ہوتا تھا۔ لیکن کوئی بھی شخص نہیں جانتا تھا۔ کہ اردو ادب میں انقلاب برپا کرنے والی ہستی تمازت آفتاب میں بیٹھی روشوں کی درستی اور شاخوں اور جھاڑیوں کے نظم و نسق میں مشغول ہے۔ اسی زمانہ میں احسان نے اپنے ابتدائی کلام کا ایک مختصر سا مجموعہ پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا۔ اور خود ہی اسکو فروخت بھی کیا۔ لیکن بعد کو وہ تمام کلام ضائع کر دیا۔ کیونکہ موجودہ معیار مذاق سے وہ بہت پست تھا۔

اس باغبانی کی خدمت کو انجام دیتے ہوئے بھی زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ وہ صاحب جنکے یہاں احسان ملازم تھے۔ لاہور چھوڑ کر کشمیر چلے گئے۔ لیکن وہ ہی بیچارے اسقدر کرم فرما بھی ثابت ہوئے کہ انہوں نے احسان کو چلتے وقت ریلوے میں ملازم رکھوا دیا۔ اسوقت تک کے وسیع اور انتہائی وسیع مطالعہ نے طبیعت کو بہت لطیف کر دیا تھا۔ اور بقول احسان ہی "ریلوے کی مقررہ وردی پہننا دوبھر تھا"... .... اسلئے اس خدمت کو محض تین ہی ماہ انجام دیکر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد بہت معمولی معمولی کاموں پر بسر اوقات ہوتی رہی۔ بعض اوقات تو وہ کام کرنے پڑے۔ جنکو ہندوستان کی بیوقوف دنیا ذلیل پیشوں کے نام سے یاد کرتی ہے۔ کیونکہ اس کو ابھی یہ پتہ نہیں کہ ہندوستان سے باہر کی دنیا اور بالخصوص مغربی دنیا میں صنعت کی کسقدر اہمیت ہے۔ احسان باوجود ظلمت آفریں تربیت اور دقیانوسی تعلیم کے دل و دماغ بہت بلند اور سلجھے ہوئے لیکر آئے ہیں۔ وہ ہر قدم زمانہ کے ساتھ اٹھاتے ہیں۔ اور صنعت کی اہمیت اور ضرورت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ وہ بغیر کسی پس و پیش کے حالت بیکاری میں چمڑے کی سلائی کا کام کرنے لگے۔ احسان کو ان کاموں سے عار ہوتا بھی تو کیوں وہ انسانی مقصد کو نہ بھولے تھے۔ ان کے سامنے ان کے فرائض تھے۔ جو ہر وقت دامن کشاں رہتے۔ اپنے ضعیف والدین کا تصور ان کے دل و دماغ کو کس صورت سے چھوڑ سکتا تھا۔ صنعت کو صنعت کیطرح سیکھا اور کیا۔ کوئی کام بغیر کئے نہ چھوڑا۔ اور ہر کام میں مہارت بھی حاصل کی۔ پھر اگر یہ نہیں تو تقدیر کی کرشمہ سازیاں اور کیا ہو سکتی ہیں

موجودہ بسر اوقات

یہاں سے ایک اور انقلاب رونما ہوتا ہے۔ اور یہ وہ انقلاب ہوتا ہے جو کسی حد تک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن جیسا کہ ان کی زندگی کا ہر واقعہ ایک انقلابی صورت لئے ہوئے ظاہر ہوا ہے۔ اسلئے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ شاید یہ مد نظر انقلاب بھی غیر ثباتی واقعات کا ایک مجموعہ ہو۔

ان کی موجودہ زندگی بہت با عزت طریقہ پر گزر رہی ہے۔ اور خدا کرے کہ ایسے ہی گزرتی جائے اور رو بہ انحطاط کبھی نہ ہو۔ جس وقت اطفالی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اور احسان نے مختلف کام کر کے ذریعہ معاش بنایا۔ اس وقت ان کو لاہور میں رہتے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا تھا۔ بہت سے لوگوں سے واقفیت، بہت سوں سے دوستی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ کوشش کرنے پر آپ کو گیلانی بک ڈپو میں ایک جگہ مل گئی۔ اس کے پروپرائٹر سید مبارک علی شاہ نہایت ادب نواز انسان ہیں۔ قدرت نے ان کو ملکہ دیا ہے کہ وہ موتی کو موتی اور ذرہ کو ذرہ سمجھ کر فرقِ امتیاز کر سکیں۔ انہوں نے احسان کے پوشیدہ جوہروں، دبی چھپی ہوئی خوبیوں کو ایک نظر دیکھ لیا۔ اور فوراً جگہ دیدی۔ احسان ابھی تک وہیں کام کرتے ہیں۔

اس عبارت کے خاتمہ پر میں حضرت سید راحت مولائی مراد آبادی کی تھوڑی سی عبارت بھی نقل کر دوں تو بے جا نہ ہوگا۔ جو انہوں نے "حدیثِ ادب" پر تنقید کرتے ہوئے کہیں لکھی ہے۔ مجھے وہ عبارت پڑھ کر حد درجہ تعجب ہوا کہ گویا چند سطروں میں احسان کی سوانح عمری لکھدی ہے۔ وہ عبارت یہ ہے:-

"حقیقتاً ایک ایسے خاندان کا انسان جس میں انعدامِ رنگینی اور فقدانِ تعلیم کے باعث لطیف خیالات اور رنگین جذبات نے کبھی بھول کر بھی کروٹ نہ لی ہو۔ ایک ایسے خانوادگی ستی میں جو نحیف اور غریب والدین اور ایسے ہی چند دیگر افراد پر مشتمل ہو۔ ایک ایسی فضا میں پرورش پائی ہو ذات جس میں نقاشِ ازل کی بوقلمونیوں نے انتہائی نفرت کا اظہار کیا ہو۔ ایک ایسے ماحول میں پلا ہوا آدمی جہاں خرابیٔ صحت اور نقصِ حسن کے مکروہ مناظر کے سوا جمالیاتی ذوق کو ابھارنے والی کوئی چیز نہ پائی جائے۔ تعلیم کے لحاظ سے صرف ایسا گرد و پیش رکھنے والا وجود جہاں دو چار ابتدائی انسانیت شکن کتابوں کے علاوہ تربیتِ دماغ و جلائے ذہن کی کوئی امکانی صورت نظر نہ آسکے۔ مشاغلِ معیشت کے اعتبار سے ایک ایسا مجبور و معذور فرد جو مزدوروں کی سی زندگی گزارنے کے سوا کہیں اور اپنی قوتوں کو صرف کرنے کا موقعہ نہ پائے۔ اور اشغالِ تمدن کی حیثیت سے ایک ایسا شخص جو ہمیشہ فطرتِ انسانی کا بیمار پہلو اپنے سامنے رکھتا ہو۔۔۔۔ اگر شاعر ہو جائے تو یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ فطرت کی حد درجہ فیاضانہ دریادلی اور دنیائے جذبات کی ثقاہت آمیز بلندیوں کی رفعت پسندانہ عروج پذیری۔"

شکل و شباہت

درمیانہ قد۔ چھریرہ بدن۔ چہرہ پر چیچک کے کہیں کہیں داغ۔ گہرا گندمی رنگ۔ یہ ظاہری شکل ہے۔

نظری ملاقات ہونے سے قبل ایک مرتبہ انہوں نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا۔

دیگر حالات

آپ نے ادب نواز اور اہل قلم لوگوں کی ایک انجمن "تعمیر ادب" کے نام سے قائم کی ہے۔ جو رات دن اپنی علمی ادبی خدمتوں میں منہمک ہے۔ جو ایک ادب پرست انجمن کر سکتی ہو جناب احسان فرمایا کرتے ہیں کہ میرا دوست صرف وہی ہو سکتا ہے جو انجمن کا رکن ہے۔

تصنیف و تالیف

آپ کی پہلی کوشش ۲۸۴ صفحات پر ایک کتاب "رموز غالب" ہے جو دیوان غالب کی نہایت عمدہ شرح ہے۔ "حدیث ادب" جناب کی غزلیات کا مجموعہ ہے۔ "دردِ زندگی" ۳۳۴ صفحات پر آپ کی نیچرل نظمیں ہیں۔ مشاہدات کا مجموعہ "نیرنگ نظر" ۲۰۰ صفحات پر زیر ترتیب ہے۔ کیونکہ بے انتہا اور بیحد جلد کہتے ہیں۔ اس لئے ایسے سمندر کی حد بندیاں نہیں کیجا سکتیں۔ خدا جانے احسان کا دماغ کن کن شہ پاروں کی تخلیق کرکے رہے خدا جانے جناب احسان کی موت کس طرح واقع ہوگی۔ کیونکہ ان کے نزدیک موت بھی عجیب چیز ہے۔ چونکہ جناب احسان کے بالتفصیل حالات زندگی عنقریب "معیات زریں" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہونے والے ہیں۔ اس لئے میں اپنی تحریر کو موت پر آپکے خیالات لکھکر ختم کرتا ہوں۔ اور اہل قلم سے امیدوار ہوں کہ اگر کوئی غلطی ہو تو اسکو ہدف ملامت نہ بنائیں۔

مرنے والے فنا بھی پردہ ہے　　اٹھ سکے گر تو یہ حجاب اٹھا

خموش! نزع کی ہچکی کے دیکھنے والے　　رخِ حیات سے پردہ اٹھا رہا ہوں میں

دریشا ہو عدم پر سر زندگی جھکا دے　　کہ اس انتہا سے پہلے تری ابتدا نہیں ہے

مری بالیں سے اٹھکر رونے والو یہ بھی سوچا ہے　　چلا ہوں کس کی محفل میں اٹھا ہوں کس کی محفل سے

نیستی کی نمود ہے ہستی　　موت تعمیر زیست کا آغاز

جہاں میں رہ مگر آزاد دو جہاں ہو کر　　جہاں سے جائے تو پابندی مزار نہ ہو

فقط

اختر حسین خاں تسکین بریلوی

۱۳ر اپریل سنہ ۱۹۳۴ء　مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

اغلاط نامہ

نمبر صفحہ	سطر	غلط	صحیح	نمبر صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۳	جنساب	جناب	۱۲۲	۹	اندھیر	اندھیرا
۸	۱۰	نخلیوں	کلیوں	۱۳۱	۸	آتش بچھا	آہ بجھا بجھا
۹	۲	رنگین	رنگیں	۱۳۶	۱۴	ڈبتے	ڈوبتے
۹	۱۱	نظارون کے	نظاروں کے	۱۴۴	۱	ہوتے	ہوئے
۱۰	۸	چھینگر	جھینگر	۱۴۵	۶	زمرد	زمرّد
۱۵	۸	نگاہیں	نگاہیں	۱۶۰	۴	میرے	مری
۱۶	۹	ہوائیں	ہوائیں	۱۶۱	۷	میرا	مرا
۲۱	۵	کہ	×	۱۶۱	۹	پہ	کو
۲۲	۲	نشین	نشیں	۱۶۶	۱	تیرا	ترا
۲۴	۶	گلستان	گلستاں	۱۶۶	۱۰	سیاۂ	سیاہ
۳۷	۱۱	کمال	کماں	۱۶۹	۷	بچاری	بچاری
۴۰	۱۲	احسان	احساں	۱۶۹	۹	روائیداد	روئیداد
۴۴	۱۰	احساس	احساس	۱۷۰	۶	درتی	دری
۵۵	۸	روائیداد	روئیداد	۱۷۲	۱۱	سنورا	سنوارا
۶۴	۵	جگر	یہ جگر	۱۷۵	۶	زمزے	زمزمے
۷۹	۴	زمزے	زمزمے	۱۷۶	۸	رنگینیاں	رنگینیاں
۸۳	۴	لغمہ	نغمہ	۱۸۰	۲	ہے	ہیں
۸۴	۵	احسان	احساں	۱۸۰	۳	جام	جام
۱۰۱	۱۲	عدم سوگوار ہو	عدم ہوا	۱۸۳	۷	زمین	زمیں
۱۰۲	۱۱	حیران	حیراں	۱۸۴	۵	میں	ہیں
۱۰۳	۶	مداوا	مداوا	۲۰۳	۳	حیات	حیات
۱۱۵	۲	آلام	نیرنگ	۲۰۳	۷	برق	برق
۱۱۹	۵	لازوالی	لازوالی	۲۰۴	۱۲	فریب	فریب
۱۱۹	۶	زوالی	لازوالی	۲۰۵	۶	جانفزا	جانفزا
۱۱۹	۸	بیاں	بیاں	۲۰۷	۱	تمنا کے	تمنا کے

نمبر صفحہ	سطر	غلط	صحیح	نمبر صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۲۸	۹	اینٹھی	انیٹھی	۲۵۶	۴	خشن	خَس
۲۳۴	۱۰	باشی	باسی	۲۵۷	۱۰	بے	ہے
۲۳۸	۵	سے	ہے	۲۶۴	۲	شعر	شعرمیں
۲۳۹	۱۲	ولولوں	وادیوں	۲۶۶	۱۰	ترزئن جلوؤں	تزئین جلوہ
۲۴۱	۱۱	نزارہ	طرارہ	۲۶۸	۱	خوددای	خودداری
۲۴۳	۱۰	نازنیں	ناز میں	۲۶۹	۳	رازِ	رازہ
۲۴۴	۱	مفرور	مغرور	۲۷۳	۸	فرمازائی	فرمانروائی
۲۴۴	۳	نرالے	نرالی	۲۷۸	۱	نہانی مجھے	نہانی مجھ
۲۴۴	۴	سلطان	سلطاں	۲۹۴	۱	آسمان	آسماں
۲۴۸	۶	رزش	لرزش	۳۱۲	۱	دھوپ	حبس
۲۴۹	۹	آرزدہ	آزردہ				
۲۵۳	۱۰	اس	اسی				
۲۵۶	۲	وقتِ	وقت				

التماس

میرا خیال تھا کہ جناب احسان کی عدم موجودگی سے "دردِ زندگی" کے حسنِ کتابت اور خوبی طباعت میں کوئی فرق نہیں آئیگا۔ لیکن میں اب محسوس کر رہا ہوں کہ جناب احسان کا فرمان بالکل صحیح تھا کہ ناتجربہ کار کے لئے یہ ایک حوصلہ شکن کاوش ہے اگرچہ میں اپنی کامیابی پر مسرور بھی ہوں کہ اس ہستی کا کلام میرے زیرِ نگرانی شائع ہوا ہے۔ جو میری روح کے لئے قابلِ پرستش ہے۔ لیکن شرمندہ بھی ہوں کیونکہ جناب احسان کا کلام ان کی حسبِ منشا شائع نہیں ہو سکا جیسا کہ میرا خیال تھا جس کا باعث کچھ تو ان کے پنسلی مسودے اور شکستہ تحریریں ہیں کچھ کاتب صاحب کی اغلاط اور پھر میری ناتجربہ کاری پر اہلِ مطبع کی ستم ظریفی۔ انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کی تلافی کر دی جائیگی۔ فردوس علی کی کارکردگی میں جناب کدار ناتھ صاحب میرے شکریہ کے مستحق فرد ہیں جنہوں نے مجھے وقتاً فوقتاً پروف دیکھنے میں مدد دی ہے۔

نیاز مند
دامن احسانی

بس کا روگ
از فدا علی خاں صاحب

ایک بنگالی ناول کا ترجمہ ہندوستان کی مشترکہ سہل زبان میں۔ قیمت عہ ر

روح ظرافت
مرزا عظیم بیگ چغتائی مشہور

مزاحیہ نگار کے آٹھ دلکش افسانے قیمت عہ ر

سلمیٰ
آسکر وائلڈ کی ڈرامٹک تمثیل سالومی کا ترجمہ

از انصار ناصری دہلوی طباعت و کتابت اعلیٰ قیمت ھ ر

انتخاب حسرت
از جلیل احمد قدوائی بی اے (علیگ)

حسرت کے لئے کسی تعارف کی ضرورت ہے۔ اور نہ ان کی شاعری کسی تعریف کی محتاج یہ انتخاب ان کے مختلف دواوین سے مرتب کیا گیا ہے۔ کاغذ نہایت اچھا۔ سرورق رنگین۔ قیمت عہ ر

انتخاب میر
از نور الرحمن صاحب بی۔ اے (علیگ)

سعدیٔ ہند میر محمد تقی میر علیہ الرحمۃ کے چھ دواوین سے یہ انتخاب تیار ہوا ہے۔ قیمت عہ ر

انتخاب سودا
از جناب ثاقب صاحب کانپوری

مرزا رفیع سودا میر کے معاصروں میں ہیں یہ مجموعہ ان کے اچھے کلام سے تیار کیا گیا۔ شروع میں جناب نواب جعفر علی خاں صاحب اثر کا دلچسپ مقدمہ ہے قیمت عہ ر

آزادی
از عبید انصاری صاحب بی اے۔

یہ کتاب جان اسٹورٹ مل کی کتاب لبرٹی کا ترجمہ ہے۔ مل انگلستان کے ان چند ارباب نظر میں سے ہے۔ جن کی دھاک سارے یورپ میں بیٹھی ہوئی ہے یہ کتاب سیاسیات کے درس کا ایک اہم جزو ہے۔ شروع میں پروفیسر محمد مجیب صاحب بی اے اوکسن کا

ملنے کا پتہ: ذیشان بکڈپو مزنگ لاہور

اسلام کی صحیح عظمت کا بہترین مرقع ہے۔ قیمت ۸/

شمس تبریز

حضرت خواجہ شمس الدین تبریز کے حالات۔ قیمت ۶/

حسن فطرت

منشی گورکھ پرشاد عبرت کی ایک مثنوی ہے۔ قیمت ۱۲/

گوہر اللغات

۵۶۹ صفحہ میں فارسی اور اردو کی جیبی ڈکشنری۔ قیمت ۱۲/

جواہر اللغات فارسی

فارسی سے اردو کی ڈکشنری مدرسوں کے طلباء کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اس میں تمام الفاظ آگئے ہیں۔ خوشنما پاکٹ سائز قیمت ۱۲/

سرگذشت اسیر

تبلیغ سزائے موت کے معاشری اسباب از سعادت حسن منٹو۔ قیمت عہ/

تنقید کا صحیح معیار

سید کاظم دہلوی کے قلم سے ملک کے مسلم الثبوت شعرا کے کلام پر تنقید و تبصرہ قیمت ۶/

روح انتخاب

اردو نثر نگاروں پر ایک تاریخی تنقید اور اردو لٹریچر کا تاریخی انتخاب قیمت حصہ اول ۱۲/ عہ حصہ دوم عہ/

روح نظم

اردو شاعری کا بہترین انتخاب اور اردو شعرا پر ایک اجتماعی تبصرہ قیمت حصہ اول عہ/ حصہ دوم عہ/

تذکرہ خندۂ گل

اردو و فارسی کے ظریف شاعروں کے حالات معہ انتخاب کلام مولفہ عبدالباری آسی قیمت للعہ/

جگر کے سو شعر

کلام جگر کا بہترین انتخاب قیمت ۸/

فانی کے سو شعر

کلام فانی کے سچے جواہر پارے قیمت ۸/

ملنے کا پتہ ذیشان بکڈپو مزنگ لاہور

کے دل پر ایک مفید اخلاقی اثر چھوڑ
جائے۔ قیمت ۱۲ ار

نغمۂ روح

حضرت اختر انصاری دہلوی بہت جلد
نوجوان شعراء کی صف اول میں آ
پہنچے ہیں۔ نغمۂ روح ان کے کلام
کا مجموعہ ہے جس پر ملک کے بہترین
رسائل نے شاندار ریویو کئے ہیں
شاعری سے مس رکھنے والے صاحبان
کو اسے ضرور خریدنا چاہیئے۔
قیمت ۱۲ ر

القمر

سید راحت حسین صاحب بی۔ اے۔ نے قوانین
حرکت و سکون اور نظام شمسی کی
حرارت اور چاند کے متعلق جتنے
جدید انکشافات ہوئے ہیں۔ ان
سب کو جمع کر دیا ہے۔ قیمت ۱۰ ار

مضامین شرر

جلد اول حصہ اول عا
جلد اول حصہ دوم عہ ر
جلد اول حصہ سوم عہ ر

تاریخی و جغرافی مضامین شرر

جلد دوم حصہ اول عا
جلد دوم حصہ دوم عہ
گذشتہ لکھنؤ حصہ سوم عا

مشاہیر عورتوں مردوں کے حالات

جلد سوم حصہ اول مشہور اکابر کے سوانح
حیات ۳۵۰ صفحہ ہے
جلد سوم حصہ اول نامور خاتونوں
کے حالات ہیں عہ ۱۰ ر
ایضاً حصہ دوم عہ ر

جلد چہارم ادب و تحقیق مسائل

یعنی محققانہ علمی و ادبی مضامین عہ ر

جلد پنجم:۔ اصلاح قوم و ملت عہ ر

جلد ششم:۔ تاریخی واقعات
پر خیال آرائی عہ ۱۰ ر

ملنے کا پتہ:۔ ذیشان بکڈپو مزنگ لاہور

جلد ہفتم :- نظم و ڈرامہ عمر

مہاشے سدرشن کی چند تصانیف

من کی موج اس کتاب کا طرز تحریر سدرشن صاحب کی دیگر کتابوں سے بالکل مختلف ہے۔ لفظ سادہ اور پیرایہ پرلطف نتیجے سنجیدہ بعض مضامین میں سیاسی چاشنی ہے۔ بعض میں روحانی بہر نوع قابل مصنف نے نہ ادب کو ہاتھ سے جانے دیا ہے۔ نہ تہذیب کو۔ سنجیدہ اور سبق آموز ظرافت کی یہ پہلی اور نادر کتاب ہے قیمت ۱۲ ار

سدا بہار پھول اس میں فطرت نگار سدرشن کی کہانیاں درج ہیں۔ جو انہوں نے اپنی ادبی زندگی کے ابتدائی دور میں لکھیں۔ اور جنہوں نے ان پر شہرت کے دروازے کھول دیئے

پلاٹ کے لحاظ سے ان کی کوئی بھی دوسری کتاب اس کا مقابلہ نہیں کرتی۔ قیمت عمر

بیگناہ مجرم یہ حسن و عشق کی کہانیاں ہیں نہ جذبات کو مشتعل کرنے والے بیان۔ اس میں مصنف نے ہندو قوم کی ایک مہلک برائی پر بحث کی ہے۔ اور ذات پات کے تباہ کن رسم و رواج کے خوفناک نتائج ایسے دردناک پیرائے میں درج کئے ہیں کہ آنسو روکنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس میں یہ بات بخوبی ظاہر کر دی گئی ہے۔ کہ ہندو قوم گن کرم سبھاؤ کے مطابق شادی نہ کر کے لڑکی اور لڑکے کی امنگوں ارادوں اور حوصلوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔ مصنف نے یہ اخلاقی اور سبق آموز ناول لکھ کر ہندو قوم کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ قیمت عمر

بنگال بیتی حصہ اول اس کے مطالعہ سے

اردو داں اصحاب کو معلوم ہوگا کہ بنگالیوں کے فن قصہ نویسی کیا ہے۔ اور بنگالیوں نے اس فن کو کس عروج پر پہنچا دیا ہے۔ ہر قصہ ایک شاہکار ادب ہے قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

بنگالی تلسی حصہ دوم

یہ اسی کتاب کا دوسرا حصہ ہے۔ لوگوں کا خیال ہے۔ کہ اس حصہ کی کہانیاں پہلے حصے کی کہانیوں سے بدرجہا افضل و برتر ہیں ان میں فصاحت ہے۔ اور ان میں بیساختہ پن ان میں حسن ہے اور ان میں تاثیر جو ایک مفید اور عمدہ کتاب کا ضروری عنصر ہے۔ قیمت ۱۲ ر

گناہ کی بیٹی

پورے ایک سو صفحے کا ناول ہے جسے فطرت نگار سدرشن نے بنگالی زبان کے ایک نادر ناول سے ترجمہ کیا ہے۔ اس میں ایک آوارہ عورت کی لڑکی کے حالات درج کیے گئے ہیں۔ اور بتایا گیا ہے کہ نیک جذبات ایسے سینوں میں بھی کروٹیں بدلتے ہیں جہاں انسان کو گناہ کے سوائے کسی دوسری شے کی توقع نہیں ہوتی۔ قیمت ۸ر

عورت کی محبت

یہ کتاب بابو ڈی ایل رائے کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ کہنے کو تو ایک ناٹک ہے مگر سچ پوچھا جائے تو وعظ و پند کا ایک دفتر ہے اور خوبی یہ کہ جی نہیں اکتاتا۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ اصلی محبت کیا ہے اور سفلی جذبات کیسے ہوتے ہیں قیمت۔ ایک روپیہ عہ ر

داغ محبت

ایک جرمن خاتون ویرا کا روزنامچہ

قیمت مجلد عہ ر بلا جلد ۸ر

سیب کا درخت

انگریزی کے نوبل پرائز یافتہ ادیب گالزوردی کا شاہکار جسے مشہور ادیب قاضی عبدالغفار نے اردو کا جامہ پہنایا۔ قیمت ۱۲ ر

ملنے کا پتہ ذیشان بکڈپو مزنگ لاہور

محمد و اطلاق اور شجاعت کی بدولت کس قدر بلند مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے۔ قیمت ۱۲/

سمرنا کا چاند

یہ ایک تاریخی ناول ہے جس میں اعلےٰ تعلیم اور تربیت کی ضرورت کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے۔ اور اس قصہ کے ضمن میں سیاسات حاضرہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے قیمت ۱۲/

آفتاب دمشق

یہ ایک پُر درد تاریخی ناول ہے جس میں تثلیث و توحید کی آویزش ہلال و صلیب کے مقابلے اسلام و نصرانیت کے معرکے جگر اندوز بیان کئے گئے ہیں۔ قیمت ۱۲/

محب وطن

مشہور جرمن ادیب الفرڈ نیون کے ایک تاریخی ناول کا ترجمہ ہے جو فلم کی صورت میں ہندوستان کے بڑے بڑے سنیموں پر مقبول ہو چکا ہے۔ یہ واقعہ جس میں جرمنی کے مشہور ایکٹر ایمل جیننگ نے پارٹ کرکے ایک روسی محب وطن کے ایثار کا عبرت انگیز مرقع پیش کیا ہے۔ قیمت ۱۲/

بونوں کی شہزادی

شہرہ آفاق ادیب اناطول فرانس کا ترجمہ ہے۔ جو دلچسپی میں اپنی نظیر آپ ہے۔ قیمت ۱۰/

تصانیف منشی پریم چند صاحب

رام چرچا	۱۲/
پریم چالیسی	۱۲/
خاک پروانہ	عہ/
سوز وطن	۱۲/
جلد دلگداز رسالہ ۱۸۸۹ء	۱۲/
" " " ۱۸۸۷ء	۱۲/
روح تنقید	عہ/
تنقیدی مقالات	۱۲/
ارباب نثر اردو	عہ/

ملنے کا پتہ ہندوستان بکڈپو منگلا ہو[illegible]